حضرت مجدد الف ثانی ؒ، حضرت کاکا صاحب ؒ، حضرت شاہ ولی اللہ ؒ
حضرت شاہ اسماعیل شہید ؒ کے علومِ شریعت، طریقت اور حقیقت (معرفت)
سے کتابچوں کا سلسلہ

شاہراہِ معرفت

کتابچہ نمبر3

نومبر، 2019ء ، بمطابق ربیع الاول، 1441ھ

زیر سرپرستی

حضرت سید شبیر احمد کاکاخیل دامت برکاتہم العالیہ

مقصد : اسلاف کی تحقیقات سے اُمت کو آجکل کی سمجھ میں آنے والی زبان میں روشناس کرنا

مجلس تحقیقات
زین العابدین صاحب

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ
مکان نمبر CB-1991/1 ، بلمقابل جامع مسجد سیدنا امیر حمزہ ؓ،
گلی نمبر 4 ، آشیانہ چوک، اللہ آباد، ویسٹرج 3، راولپنڈی

مضامین کی فہرست	
1	دیباچہ
4	دین میں آسانی
5	کمال یہ ہے
7	مختصراتِ سلوک
11	مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ
28	مقامات قطبیہ ومقالات قدسیہ
51	معیار انسانیت اور اس کے حصول کا طریقہ
69	دَ دِین ظاھر اؤ باطن
74	دین کا ظاہر اور باطن

دیباچہ

الحمد للّٰہ رب العالمین ○ الصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم النبیین ○ فاعوذ بااللہ من الشیطٰن الرجیم○ بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

الحمد للہ یہ شاہراہ معرفت کا تیسرا شمارہ آپ کے پاس آرہا ہے۔ اللہ جل شانہ اس کو کامیاب فرمائے، قبول فرمائے اور اُن تمام احباب کے لئے جو اس سے محبت رکھتے ہیں مفید بنائے۔ جیسا کہ اس میں ہمارا طریقہ ہے کہ اس میں ہم بزرگوں کے تعلیمات کا تعارف کرتے ہیں اس لئے اس کو ہم شاہراہ معرفت کہتے ہیں۔ معرفت کی یہ شاہراہ جو مجددین کے ذریعے سے گزرتا ہے اس کا سمجھنا بہت زیادہ اہم ہے کیونکہ اگر یہ سمجھ میں آجائے تو بہت ساری چیزیں سمجھ میں آجائیں گی۔ اس وجہ سے ہم نے مجددین کے کلام کا، مکتوبات کا اور کتابوں کا انتخاب کیا ہے تاکہ اس کے ذریعے سے ہم اس معرفت کی شاہراہ پر چل سکیں۔ الحمد للہ جیسا کہ اس میں طریقہ بنایا گیا ہے کہ اس میں حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات شریف کی تشریح ہو رہی ہے لیکن جلد ہی ہم اس کا طریقہ کار تبدیل کرنے والے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر مکتوب کی اپنی ایک شان ہوتی ہے ۔وہ جن کو لکھی گئی ہوتی ہے وہ ان کے حالت کے مطابق ہوتی ہے۔ اگر وہ بہت عالم فاضل ہے تو اُن کو جو جواب حضرت نے دیا ہوتا ہےوہ عوام کی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اس وجہ سے ہمارا اپنا خیال ہے کہ اس طرز کو ہم اگلے شمارے سے تھوڑا سا بدل دیں اور وہ یہ ہے کہ بجائے مکتوباتِ مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہم تعلیمات مجدد رحمۃ اللہ علیہ اس میں دینا شروع کر دیں۔ ظاہر ہے کہ وہ مکتوبات شریف سے ہی ہوں گی لیکن اُس میں عوام کا خیال رکھا گیا ہو گا کہ جس ترتیب سے عوام سمجھ سکتے ہوں اُس انداز میں دیا گیا ہو گا اور یہ بات یاد رکھنی چاہئے

کہ چیزیں انسان تجربے سے سیکھتا ہے۔ ہمیں اس میں الحمد للہ تجربات ہو رہے ہیں تو اُن تجربات سے فائدہ اُٹھایا جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ ہم ایک اندھے کی طرح لکیر پر چل رہے ہوں بلکہ ہم آنکھیں کُھلی رکھیں اور جو جو مفید مشورے آرہے ہوں یا جو مفید راستے نظر آرہے ہوں اُن سے بھرپور استفادہ کرنے کی ہماری نیت ہے ان شاء اللہ۔

دوسری ترتیب ہماری اس رسالے میں حضرت کاکاصاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کا ہے۔ اُس میں پہلے سے ہی اس چیز کا خیال رکھا گیا ہے کہ ان تعلیمات کو عام فہم بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ وہ تعلیمات جو حضرت کی ہیں اور وہ ضائع ہو سکتی تھیں تو الحمد للہ ان تعلیمات کو اب ہم سامنے لا رہے ہیں۔ یقیناً اس میں بعض حضرات کے تحفظات ہیں کہ یہ مشکل مضامین ہیں عوام کے سامنے یہ مضامین نہیں لانی چاہئے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ تعلیمات ہی کسی بزرگ کی وہ چیزیں ہوتی ہیں جن سے فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔ تو ان کو آسان تو کیا جا سکتا ہے لیکن ان کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا ہم کوشش کر رہے ہیں کہ ان کو زیادہ سے زیادہ آسان کیا جائے اور ممکن ہے کہ اس میں کوئی سوال و جواب کا بھی سلسلہ شروع کیا جائے تو پھر اس میں سوال وجواب کے ذریعے اس کے مشکلات کو مزید آسان کیا جا سکے گا۔

ہم معذرت کرتے ہیں کہ عبقات کا سلسلہ اس دفعہ شامل نہیں ہو سکا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اس وقت حج کے سفر میں ہیں اور ہماری پوری کوشش ہے کہ عبقات کی کتاب اس مبارک سفر میں پوری ہو جائے اور اختتامی دعا مدینہ منورہ سے ہو جائے۔ لہٰذا ہمارا پورا زور اُس پر ہے۔ ان شاء اللہ اگلے شمارے میں اس کی پوری روداد بھی پیش کی جائے گی۔تو یہ ہماری ترتیب ہے اور اس دفعہ ہم جو دو اصلاحی بیانات دے رہے ہیں ان میں ایک تو گزشتہ سے پیوستہ بیان ہے وہ چل رہا ہے۔ دوسرا اس میں حضرت پیر بابا علیہ رحمۃ کے مزار پر جمعہ کا بیان ہوا تھا وہ اس رسالہ میں پشتو میں بھی دیا گیا ہے اور

اُس کا اردو ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔ وہ واقعی ایک انقلابی قسم کا بیان تھا جس میں وہاں کے حضرات نے بڑی دلچسپی لی تھی اور یقیناً یہ حضرت کی کرامت تھی ، توجہ تھی جس کی وجہ سے الحمد للہ ایسے الہامی مضامین بر آمد ہوئے جس کو وہاں کے لوگوں نے بالخصوص اُس ماحول کے اندر پسند کر دیا حالانکہ ایسی باتوں کو ایسے ماحولوں میں پسند نہیں کیا جاتا۔ لیکن بہر حال اللہ پاک کا شکر ہے کہ اُن لوگوں کی طرف سے جزاک اللہ جزاک اللہ کی آوازیں ریکارڈنگ میں اب بھی موجود ہیں تو اللہ کا شکر ہے کہ اس میں ہم کامیاب ہو گئے۔

بہر حال آپ لوگوں کے مشورے جاری رہنے چاہئے مفید مشوروں سے ہمیں فائدہ پہنچاتے رہیں اور ہم بھی کوشش کریں گے کہ زیادہ سے زیادہ آپ کے مشوروں کے مطابق اس میں جو فوائد ہوں گے اُن کو استعمال کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس کوشش میں کامیاب فرمائے۔ یہ دیباچہ الحمد للہ مکہ مکرمہ سے روانہ کیا جا رہا ہے جو کہ پوری دنیا میں ہمارے لئے ایک متبرک مقام ہے اللہ تعالیٰ یہاں کے برکات بھی اس کے ساتھ شامل فرمائیں۔ آمین۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ () وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ()
وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ()

دین میں آسانی

دین میں آسانی ہی آسانی ہے
جو نہ سمجھے کہ دنیا فانی ہے

وہ ہم کو یاد اگر آتے ہیں
یہ بھی تو اُسکی مہربانی ہے

عشق میں اُسکی اگر گھل جائے
قابلِ رشک وہ جوانی ہے

پیسہ خرچ کرنا ہو اُسکے واسطے تو
خرچ یہی اسکی فراوانی ہے

اپنی عزت اُس پہ قربان کرنا
اپنی عزت ہی تو بڑھانی ہے

دل لگا ذکر سے اور خوب لگا
تر گیا جس نے یہ بات مانی ہے

لذتیں کتنی ملیں گی شبیؔر
لَو اسکے ساتھ ہی لگانی ہے

کمال یہ ہے

یہ حُب دنیا سے اپنے دل
کو بچا کے رکھنا کمال یہ ہے

نفس کے جو جو بھی ہیں رذائل
دبا کے رکھنا کمال یہ ہے

یہ نفرتیں ہیں محبتیں ہیں یہ
دل کی دنیا یہ دل کا میداں

انہیں اس اک ہی کی محبت
میں مٹا کے رکھنا کمال یہ ہے

عقل ہے نعمت اگر یہ خادم ہو
شریعت کا ہر ایک کام میں

تو واسطے اِس کے اِسے اُس در
پہ ہی لا کے رکھنا کمال یہ ہے

یہ دل بھی صاف ہو عقل بھی
درست ہو نفس بھی قابو ہو اپنا یارو

ان لطائف کو جو منتشر ہیں
ملا کے رکھنا کمال یہ ہے

یہ باتیں کتنی ہوں اپنی اونچی
اگر اثر سے ہوں رہتی خالی

نہیں !مگر یہ دل و دماغ کو
ہلاکے رکھنا کمال یہ ہے

یہی تو جذب ہے کہ جس کے
بل پہ سلوک طے ہو یہ اپنا شبیر

سلوک کے واسطے یہ جذب کی
بھٹی جلا کے رکھنا کمال یہ ہے

مختصراتِ سلوک

تصنیف

حضرت سید شبیر احمد کاکاخیل دامت برکاتہم

چند اہم باتوں کی سمجھانے کی ضرورت:

وہ تین لطائف جن کی اصلاح کو سیر الی اللہ کی تکمیل بتائی جاتی ہے عقل، نفس اور قلب ہیں۔ یہ تین نظام ہیں اگر یہ درست ہوں تو ایمان و اعمال کا سارا نظام درست ہو اور اگر یہ خراب ہو تو یہ سارا نظام خراب ہو جائے۔ ان ہی تینوں کی اصلاح اصل میں تربیت کہلاتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک اتنا اہم ہے کہ جس کو بھی دیکھو تو وہی نظر آتا ہے دوسرے دو نظر سے غائب ہو جاتے ہیں۔ لیکن باقی دو کے نظر سے غائب ہونے میں ایک فتنہ ہے جس کی طرف نشاندہی بہت ہی ضروری ہے۔ چونکہ بزرگوں نے بھی جب ان میں سے کسی ایک کی افادیت پر نظر ڈالی تو اُس کے بارے میں بیان کیا یا کچھ اشعار کہے جو ان کی سچی کیفیت کی عکاسی کرتے تھے۔ لیکن آج کل کے فتنے کے دور میں فتنہ پرداز ہر اچھی چیز کو فتنہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگ بزرگوں کی اس قسم کی تحریرات سے بہت فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس کا اندازہ مجھے مولانا روم کانفرنس کے موقع پر ہوا جس کی تفصیل کسی مناسب موقع پر پیش کی جائے گی۔ فی الحال آئیے دیکھیں کہ صرف ایک لطیفہ کے کی اصلاح پر نظر رکھنے سے کیا نقصان ہوتا ہے۔

صرف نفس کی اصلاح پر نظر رکھنا

اگر صرف نفس کی اصلاح پر نظر ہو اور اس کے علاج کے لئے مجاہدات جو اس کا قدرتی علاج ہے کرتے ہوئے دل اور عقل کی اصلاح سے غفلت

ہوجائے تو یہ مجاہدات جوگ کا روپ دھار لیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے مجاہدہ کرنے والے کو جوگی کی صورت میں بزرگی کی بیماری لاحق ہوجاتی ہے۔ لوگ بھی ان کی محنتِ شاقہ کو دیکھ کر اس کے معتقد ہوجاتے ہیں۔ عقل کی اصلاح نہ ہونے کی وجہ غلط سلط فلسفے بھی جھاڑنا شروع کرلیتا ہے۔ شیطان اس کے دل پر قبضہ کرلیتا ہے اور بعض دفعہ ایمان کو بھی خطرہ لاحق ہوجاتا ہے۔ کسی ایک دینی لائن میں مجاہدہ کی صورت میں اس لائن کی اہمیت ذہن میں ضرورت سے زیادہ بیٹھ جاتی ہے اور وہ صرف اسی کا ہوکر باقی دینی کاموں کی مخالفت بھی شروع کرلیتا ہے۔ چونکہ عقل پہلے سے گمراہ ہوتی ہے اس لئے اپنی گمراہی کے لئے جو مستدل ضعیف روایتیں ملیں چاہیں ضعیف احادیث ہوں، چاہے خواب ہوں، چاہے کشف ان کی بنیاد پر قرآن اور سنت کے روشن دلائل کو پس پشت رکھ کر جیتا جاگتا فتنہ بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے سب کو امان میں رکھے۔ آمین

صرف دل کی اصلاح پر نظر رکھنا

اس صورت میں جب سالک کافی آگے چلا جاتا ہے تو نفس کی اصلاح بالکل بھول جاتا ہے۔ اپنے نفس کی اصلاح بھی ذکر، اذکار اور مراقبات کے ذریعے کرنا چاہتا ہے۔ ظاہر ہے ان کی افادیت سے تو انکار نہیں لیکن ہر چیز کا اپنا دائرہ کار ہوتا ہے اس کے اپنے دائرہ کار میں افادیت کو دیکھ کر اگر اس کو کسی دوسرے دائرہ کار میں استعمال کیا جائے تو سوائے ناکامی کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا کیونکہ یہ ایسا ہوگا جیسے آنکھ سے کوئی سننے کی کوشش کرے۔ یہ جو علاجی فاعلات ہیں یہ تو دل بیدار کرنے کے لئے ہیں اور دل جب بیدار ہوجائے تو اس کے ذریعے نفس کو اصلاح کے لئے آمادہ کرنا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس وقت وہ آسانی کے ساتھ آمادہ ہوسکتا ہے اور جب وہ اپنی اصلاح کے ڈگر پر چلنے لگتا ہے، یعنی سلوک کے دس مقامات طے کرنے پر، تو نفس کی

اصلاح ہونے لگتی ہے۔ اس میں ہر مقام دوسرے مقام کے لئے بنیاد بنتا ہے۔ اگرچہ صلاحیتیں اور احوال ہر سالک کے مختلف ہوتے ہیں اس لئے ان کی ضرورت کا درجہ ہر ایک کے لئے مختلف ہوتا ہے لیکن گزرنا سارے مقامات سے ضروری ہے تاکہ نفس کی رکاوٹ پر قابو پایا جاسکے۔ اگر کوئی ایسا نہیں کرتا اور دل کی اصلاح کو ہی کافی سمجھ لے تو ایسے حضرات کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مجذوب متمکن فرماتے ہیں اور مزید یہ فرماتے ہیں کہ نہ یہ خود پہنچے ہیں نہ دوسروں کو پہنچا سکتے ہیں۔

صرف عقل کی اصلاح پر نظر رکھنا

اگرچہ اہلِ حق کے ہاں سلوک طے کرنے میں اس کا کوئی ذکر ایسا نہیں آیا ہے کہ کوئی صرف عقل کی اصلاح کرتا ہو لیکن فلسفیانہ تصوف جس کو بعض حضرات صحیح تصوف سمجھتے ہیں ان کے ہاں یہی ہوتا ہے۔ ایسے حضرات باقی سب لوگوں کو بے وقوف سمجھتے ہیں اور خود کو عقلِ کُل۔ ان کے کچھ نام نہاد مراقبات ہوتے ہیں جس میں اپنے اوہام اور خیالات کو پالتے رہتے ہیں۔ان پر پہلے فلسفہ کا رنگ چڑھا ہوتا تھا۔ آج کل سائنس کا دم بھرتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات طے ہے کہ سائنس ایک تدریجی ترقی پذیر علم ہے اور قرآن و سنت خالقِ حقیقی کے طرف سے بھیجا گیا علم ہے۔ اس لئے سائنس بتدریج ان چیزوں کو ثابت کرتا رہے گا جو مذہب نے سکھائی ہیں۔ لیکن جہاں تک سائنس نہیں پہنچا اس میں اس سے رہنمائی لینے میں خسارے کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے۔ اس لئے کہ اس کا کردار ایک خادم کا ہے۔ اس کو جو دین کا مخدوم بنائے گا اس نے نہ دین کو سمجھا نہ سائنس کو۔ صرف عقل کی اصلاح کا دم بھرنے والے اپنے نفس کو آزاد چھوڑ دیتے ہیں اور صرف گہری گہری باتیں کرنے کو ہی کافی سمجھتے ہیں۔ مثلاً آج کل اس قسم کے ایک متفکر کی بات میں نے سنی کہ تقریر کررہے ہیں کہ جب تک اللہ تعالیٰ کو سب سے

زیادہ ترجیح نہیں دو گے اس وقت تک مسائل حل نہیں ہوسکتے۔ اس پر دلائل پُرزور جاری تھے لیکن کلین شیو ، جسم پر شریعت کا کوئی نشان نہیں، نماز کی پرواہ نہیں، عملیات کا بازار گرم اور یہی بات اکثر لوگ چاہتے ہیں۔ لوگ نفس کی آزادی چاہتے ہیں۔ باتوں کے حد تک بعض ہندو بھی آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی محبت میں نعتیں لکھتے ہیں لیکن کیا اس سے ان کی آخرت میں نجات ہو گی؟

تینوں لطائف کے اصلاح کی اہمیت سورۃ بقرۃ کی پہلی رکوع کی روشنی میں

"بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○الٓمّٓ ○ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ○الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ○وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ○وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ○"

"یہ وہ عظیم الشان کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔یہ ہدایت ہے پرہیزگاروں کے لئے یعنی وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں غیب پر ، نماز قائم کرتے ہیں اور اللہ کے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرتے ہیں اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اس پر جو وحی آپ پر اتری اور جو آپ سے پہلے اتری ہے اُس پر اور آخرت پر یقین رکھنے والے ہیں "

اس میں ایمان کا تعلق دل کے ساتھ ہے، نماز قائم کرنا اور اللہ تعالی کی راہ میں خرچ کرنے کا تعلق نفس کے ساتھ ہے اور آخرت پر یقین کا تعلق عقل کے ساتھ۔

مکتوباتِ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

دفتر دوم مکتوب نمبر 96

تشریح و ترتیب

حضرت سید شبیر احمد کاکاخیل دامت برکاتہم

متن: خواجہ ابوالحسن بہابدخشی کشمی کی طرف صادر فرمایا۔ اس بات کے حل میں کہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیٰ وآلہ واصحابہ وسلم نے مرضِ موت میں کاغذ طلب فرمایا تاکہ کچھ تحریر کرائیں۔ اور حضرت فاروقؓ نے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ چند وجوہ کی بنا پر اس سے منع کیا۔

تشریح: یہ بہت نازک موضوع ہے۔

متن: الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)۔

(سوال) حضرت رسالت خاتمیت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ نے مرضِ موت میں کاغذ طلب کیا اور فرمایا: "ایتونی بقرطاسٍ اَکْتُب لَکُمْ کِتَابًا لن تَضلّوا بَعدیْ " (میرے پاس کاغذ لاؤ تاکہ میں تمہارے لیے ایسی تحریر لکھوا دوں کہ میرے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہو)۔ اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دوسری جماعت کے ساتھ کاغذ لانے سے منع کیا، اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حَسْبُنَا کِتَابُ اللہ (ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی کتاب کافی ہے)۔ اور یہ بھی کہا: اھجر اِسْتَفْھِمُوْہ (آپؐ بیماری کی بیہوشی میں ایسا فرما رہے ہیں لہٰذا تحقیق کر لو)۔ اور حضرت رسالت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ جو کچھ بھی فرماتے تھے وہ ازروئے وحی فرماتے تھے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔ (وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے مگر وحی سے جو ان کی طرف

کی جاتی ہے)۔ اور وحی سے منع کرنا اور اس کا رد کرنا کفر ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ۔ (جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ کافر ہیں)۔ اور نیز ہَجر و ہذیان (بے قصد و بلا اختیار) کلام کا پیغمبر کے لیے تجویز کرنے سے اس کے احکامِ شرعیہ سے بھی اعتماد اُٹھ جاتا ہے اور وہ کفر و الحاد اور زندقہ ہے۔ اس شبہُ قویہ کا حل کیا ہے۔

تشریح: سوال قائم کیا گیا ہے۔ اصل میں اہلِ سنت والجماعت کے جو مخالفین ہیں وہ یہ باتیں اٹھاتے ہیں اور بڑی ہی ہوشیاری کے ساتھ اٹھاتے ہیں اور لوگوں کے ذہنوں کے اندر گند ڈال دیتے ہیں۔ اور لوگ اپنے بڑوں کے بارے میں پریشان ہو جاتے ہیں، مشکل میں پڑ جاتے ہیں۔ جن کو ان تفصیلات کا علم نہیں ہوتا تو مشکل میں تو پڑ جاتے ہیں کیونکہ سرسری طور پر تو واقعی یہ باتیں اس طرح ہی ہیں۔۔ تو حضرت سے کسی نے یہ سوال کیا کہ اس کا اصل کیا ہے؟ یعنی اس کو کیسے حل کر سکتے ہیں۔ جواب سنیں۔

متن: (جواب): اللہ تعالیٰ آپ کو سعادت مند کرے اور سیدھے راستے کی ہدایت دے۔ واضح ہو کہ یہ شبہ اور اس قسم کے دیگر شبہات جو ایک گروہ حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم اور باقی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر وارد کرتے ہیں اور اس قسم کے شکوک و شبہات سے ان کو رد کرنا چاہتے ہیں، کاش یہ لوگ انصاف کی نظر سے دیکھیں اور حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کے شرف و رُتبہ کو قبول کریں تو وہ جان لیں گے کہ ان (صحابہؓ) کے نفوس حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں ہوا و ہوس سے پاک و صاف ہو چکے تھے اور ان کے سینوں سے عداوت و کینہ نکل چکا تھا۔ اور ان کو واضح ہو جائے گا کہ یہی وہ اکابرِ دین اور کبرائے اسلام ہیں جنھوں نے کلمۂ اسلام کے بلند کرنے

اور حضرت سید الانام کی مدد اور دینِ متین کی تائید میں رات دن، خفیہ اور علانیہ اپنی طاقتوں اور مالوں کو خرچ کیا ہے اور اپنے خویش و قبیلوں اور اولاد و ازواج، وطن و گھربار، کھیتی باڑی، کنوئیں اور باغ و انہار وغیرہ سب کچھ رسول اللہ علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی محبت میں چھوڑ دیا تھا،اور رسول اللہ ﷺ کے نفس کو اپنے نفسوں پر ترجیح دی تھی اور اپنی جان و مال اور اولاد کی محبت پر رسول اللہ ﷺ کی محبت کو اختیار کیا تھا۔ یہی وہ حضرات ہیں کہ جنہوں نے وحی اور فرشتہ کا مشاہدہ کیا تھا اور معجزات و خوارق کو دیکھا تھا یہاں تک کہ ان کا غیب شہادت سے اور ان کا علم عین سے بدل گیا تھا۔ یہی وہ حضرات ہیں جن کی تعریف اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ان الفاظ کے ساتھ فرماتا ہے: رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ (اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں)۔ نیز۔ ذلک مثلھم فی التورۃ ومثلھم فی الانجیل۔ (توریت اور انجیل میں ان کی یہی مثال ہے)۔ یقیناً جب تمام اصحابِ کرامؓ ان بزرگی اور فضائل میں شریک ہیں تو خلفائے راشدین جو تمام اکابرینِ صحابہ سے افضل ہیں، ان کی فضیلت و بزرگی کس قدر ہو گی۔

تشریح: اب میں ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔ یہ بات آگے حضرت بھی اپنے الفاظ میں بیان فرمائیں گے۔ اگر انہوں نے آپ ﷺ کے بارے میں یہ کہا کہ آپ ﷺ وحی کے ساتھ سب کچھ کہتے ہیں، تو اگر یہ بات وحی کے ساتھ کہی تھی تو آپ ﷺ نے ان حضرات کے بارے میں جو پہلے باتیں کی تھیں، وہ کس لحاظ سے کی تھیں؟ وہ بھی تو وحی کے لحاظ سے ہے کہ میرے بعد اگر نبی آتے تو وہ عمر ہوتے۔ تو پھر اس کی کیا تاویل ہو گی؟ اور وہ جو اختلاف تھا، بدر کے قیدیوں کے بارے میں، جن میں عمر رضی اللہ عنہ کے بعد سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ان کو قتل کیا جائے۔ اور اللہ پاک کہہ رہا تھا کہ بھئی یہ تو... تو اللہ پاک نے فرمایا کہ تم

لوگوں نے چونکہ مشورہ یہی کیا، تو میرا بھی حکم یہی ہو گیا، لیکن میرا حکم تو ان کے قتل کا تھا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس وجہ سے عذاب آتا تو صرف عمر رضی اللہ عنہ اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بچتے۔ کیا یہ بات آپ ﷺ نے وحی کے ذریعے سے نہیں کہی تھی؟ تو جس وقت کسی بھی تحقیقی بات میں دو متضاد باتیں ایک ہی قانون سے متحقق ہو جائیں تو اس وقت تاویل لازم ہو جاتی ہے۔ آپ اس بات کو اچھی طرح دل پر لکھ لیں۔ بلکہ اس تاویل کو تاویل نہیں بلکہ تطبیق کہیں گے اور اس وقت فقہاء کا کام یہی تطبیق ہوتا ہے۔ چونکہ دونوں طرف ایک ہی بات ہے، دونوں طرف حق ہے، اور بات مختلف ہے، تو ان دونوں مختلف باتوں کو اکٹھا کیسے کریں گے، یعنی دو متضاد باتوں کو کیسے یکجا کریں گے؟ جیسے سائنس میں آجکل unified concept پر تحقیق ہو رہی ہے کہ مختلف Laws آپس میں کن کن پوائنٹس پر مل جاتے ہیں؟ جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ Laws آپس میں ایک ہیں۔ تو ریسرچز میں اسی طرح ہوتا ہے۔ تو جو اہلِ سنت والجماعت ہیں وہ تو یہی کرتے ہیں جو میں نے عرض کیا۔ جو مخالفین ہیں ان کو تو پوائنٹ مل گیا، ان کو تو ایسا شوشا بنانا ہے اوراس سے لوگوں کو گمراہ کرنا ہے، لہٰذا انہوں نے تو کرنا ہے۔ لہٰذا ہم صرف اپنے آپ کو بچائیں گے کہ ان کی باتوں میں نہ آئیں۔ اور باقی بلاوجہ ایسے موضوعات کو نہیں چھیڑیں گے جن سے ایمان پر حرف آ سکتا ہے، کوئی نقصان ہو سکتا ہے۔ اب آگے سن لیجیے۔

متن: یہی وہ فاروق رضی اللہ عنہ ہیں جن کی شان میں حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے رسول سے فرمایا: "یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ" (اے نبی! تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ مؤمن جنھوں نے تمہاری اتباع کی)۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اس آیۂ کریمہ کے نازل ہونے کا سبب حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا اسلام ہے۔

نظرِ انصاف سے دیکھنے کے بعد اور حضرت خیر البشر عَلَيْهِ وَعَلٰی آلِهِ الصَّلٰوٰتُ وَالتَّحِيَات۔ کی شرفِ صحبت کے قبول کرنے اور اصحاب کرام علیہم الرضوان کے درجات کی بلندی و بزرگی معلوم کرنے کے بعد ممکن ہے کہ یہ اعتراض کرنے والی جماعت اور شکوک پیدا کرنے والے لوگ شاید ان شبہات کو مغالطوں اور ملمع کی ہوئی خیالی باتوں کی طرح بے اعتبار خیال کریں اور ان کو درجۂ اعتبار سے ساقط کریں، اگرچہ وہ غلط مادہ کو ان شبہات میں تشخیص نہ کریں اور عقل کی غلط باتوں کا محل و مقام متعین نہ کریں تو کم از کم اتنا ضرور جان لیں گے کہ یہ شبہات بے حاصل و بے فائدہ ہیں بلکہ یہ شبہات ضروریاتِ اسلامیہ سے متصادم ہیں اور کتاب و سنت کی رو سے مردود و مطرود ہیں۔ اس کے باوجود اس سوال کے جواب میں اور اس شبہ کے غلط مواد کے تعین میں اللہ سبحانہٗ کی مدد سے چند مقدمات لکھے جاتے ہیں۔

تشریح: یعنی یہاں حضرت وہ بنیادی باتیں اور مقدمات پیش کر رہے ہیں جن پر تمام تحقیقی بحث منحصر ہو گی۔ خوب غور سے سنیں۔

متن: ان اشکال کا کامل طور پر حل چند مقدمات پر مبنی ہے اگرچہ ہر مقدمہ بھی ایک مستقل جواب ہے۔

مقدمۂ اول یہ ہے کہ آنحضرت علیه وعلیٰ آله الصلوات والتحیات۔ کے تمام ارشادات اور گفتگو وحی نہیں ہوتے تھے۔ اور آیۂ کریمہ: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى۔ (اور وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے) یہ نطق قرآنی کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ اہلِ تفسیر نے بیان کیا ہے۔ اور نیز اگر آپ علیه وعلیٰ آله الصلوٰۃ والسلام کے تمام ارشادات وحی کے مطابق ہوتے تو آپ علیه وعلیٰ آله الصلوٰۃ والسلام کے بعض اقوال پر حق جل شانہٗ کی طرف سے اعتراض وارد نہ ہوتے اور ان سے معافی کی کوئی گنجائش نہ ہوتی، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیه وعلیٰ آله الصلوٰۃ والسلام کو خطاب کرتے

ہوئے فرمایا ہے: عَفَا اللّٰہُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ (اللہ تعالیٰ نے تم کو معاف کیا، تم نے ان کو کیوں اجازت دی)۔

مقدمۂ دوم چونکہ اجتہادی احکام اور امورِ عقلیہ میں بموجب آیۂ کریمہ: فاعتبروا یااولی الابصار۔ (اے بصیرت والو! عبرت حاصل کرو)۔ اور آیۂ کریمہ: وشاورھم فی الامر۔ (کام میں ان (صحابہ) سے مشورہ کر لیا کرو) کے بموجب صحابہ کرامؓ کو آں سرور علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات سے گفتگو کی گنجائش تھی (یعنی مشورہ میں)اور ان میں رد و بدل کی مجال بھی تھی کیونکہ قیاس کا اعتبار اور مشورہ کا امر رد و بدل کی صورت کے بغیر ممکن نہیں۔ جیسا کہ جنگِ بدر کے قیدیوں کے قتل اور فدیہ میں اختلاف رائے واقع ہوا تھا اور حضرت فاروقؓ نے ان کے قتل کا مشورہ دیا تھا اور وحی بھی حضرت فاروقؓ کی رائے کے موافق آئی یعنی فدیہ حاصل کرنے پر وعید نازل ہوئی تو آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: لو نزل العذاب لما نجی غیر عمر وسعد بن معاذ۔ (اگر عذاب نازل ہوتا تو اس سے عمرؓ اور سعد بن معاذؓ کے علاوہ کوئی نہ بچتا) کیونکہ سعدؓ نے بھی ان قیدیوں کے قتل کا اشارہ کیا تھا۔

مقدمۂ سوم یہ کہ سہو و نسیان حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام پر جائز بلکہ واقع ہے۔ حدیث ذوالیدین میں وارد ہے کہ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے چار رکعت والی نماز میں دو رکعت پر سلام پھیر دیا، تو ذوالیدینؓ صحابی نے عرض کیا: اقصرت الصلوۃ ام نسیت یارسول اللہ۔ (یارسول اللہ! کیا نماز قصر کر دی گئی یا آپ سے بھول ہو گئی ہے)۔ تو ذوالیدینؓ کے قول کی صداقت ثابت ہونے کے بعد آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام اٹھے اور دو رکعتیں ادا کر کے ان میں شامل کیں اور سجدۂ سہو ادا کیا۔

جب (نبیؐ کے لیے) سہو و نسیان صحت و فراغت کی حالت میں بشریت کے تقاضے کی بنا پر جائز ہو تو مرضِ موت میں غلبۂ درد کی وجہ سے بمقتضائے بشریت آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام سے بے اختیار کلام کا صادر ہونا کیونکر جائز نہ ہو گا، اور احکامِ شرعیہ سے اعتماد کیوں اٹھ جائے گا جبکہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے وحیٔ قطعی کے ذریعہ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کو آپ کے سہو و نسیان پر مطلع کیا تھا اور صواب کو خطا سے الگ کر دیا تھا۔ چونکہ نبی کا خطا پر قائم رہنا ہر گز جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے احکامِ شرعیہ کا اعتماد زائل ہونا لازم آتا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ نفسِ سہو و نسیان، اعتماد کے زائل ہونے کا موجب نہیں ہے بلکہ سہو و نسیان پر (نبی کا) قائم رہنا احکامِ شرعیہ کے زائل ہونے کا سبب ہے، اور اس کو بر قرار رکھنا (علماء کے نزدیک یہ مقرر ہے کہ) جائز نہیں ہے۔

تشریح: یعنی اگر یہ بات وحی کے ذریعے ہوتی تو اسی وقت حکم نازل ہوتا اور اس کو روک دیا جاتا کہ نہیں، ضرور کاغذ لے آؤ۔ کیونکہ آپ ﷺ پر لازم ہوتا کہ بتا دیتے۔

مقدمۂ چہارم یہ کہ حضرت فاروقؓ بلکہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو کتاب و سنت کے مطابق جنت کی بشارت مل چکی ہے اور وہ احادیث جن میں خاص طور پر جنت کی بشارت موجود ہے وہ اپنے معتبر راویوں کی کثرت کی بنا پر حد شہرت بلکہ حد تواتر کو پہنچ چکی ہیں، اب ان کا انکار کرنا یا تو جہالت کی وجہ سے ہے یا دشمنی کی وجہ سے۔ ان صحیح اور حسن احادیث کے راوی اہلِ سنت ہیں جنہوں نے اپنے اساتذہ سے جو سب کے سب صحابہؓ و تابعین ہیں اخذ کی ہیں (ان کے مقابلے میں) اگر تمام مخالف فرقوں کے راویوں کو جمع کریں تو معلوم نہیں کہ اہلِ سنت کے (راویوں کے) عشر عشیر

تک پہنچ سکیں۔ جیسا کہ منصف متبع اور محقق پر پوشیدہ نہیں ہے۔

اور اہلِ سنت کی احادیث کی تمام کتابیں ان بزرگوں کے لیے جنتی ہونے کی بشارت سے بھری ہوئی ہیں۔ اگر بعض مخالف فرقوں کی احادیث کی کتابوں میں ان بشارتوں کو روایت نہیں کیا گیا تو کوئی غم نہیں کیونکہ بشارت کی روایت کا نہ ہونا عدم بشارت پر دلالت نہیں کرتا۔ اور یہ کہ ان اکابرین کے بہشتی ہونے کی بشارت کا ثبوت خود قرآن مجید میں موجود ہے جو کافی ہے۔ وہ آیات بکثرت ہیں، ان میں سے یہ بھی ہیں:

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھٰجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ وَ اَعَدَّ لَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا اَبَدًا ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔ (مہاجرین اور انصار میں سے سابقین اولین اور وہ لوگ جنہوں نے احسان کے ساتھ ان کی تابعداری کی، ان سب سے اللہ تعالیٰ راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے اور ان کے لیے جنت کے باغات تیار کیے گئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے)۔

تشریح: اب مجھے یہاں درمیان میں ایک اور بات بھی مل گئی الحمدللہ۔ آج کی بات۔ وہ یہ کہ میں اکثر عرض کرتا ہوں کہ جب سیر الی اللہ مکمل ہو جائے یعنی سلوک طے ہو جائے تو پھر سیر فی اللہ کو ہم طریقِ صحابہ کہتے ہیں۔ سیر الی اللہ کی ضرورت صحابہ کو نہیں تھی کیونکہ جو سیر الی اللہ کے ذریعے سے حاصل کیا جا سکتا ہے وہ مقام پہلے سے ان کو حاصل ہو چکا تھا۔ تو یہ آیت اس کا مصداق ہے۔ اس آیت میں کیا فرمایا ہے؟ اچھی طرح غور کریں۔ اللہ پاک فرماتے ہیں، مہاجرین اور انصار میں سے سابقین اولین اور وہ لوگ جنہوں نے احسان کے ساتھ ان کی تابعداری کی، ان سب سے اللہ تعالیٰ راضی ہوا۔ اور نفسِ مطمئنہ کے بارے میں کیا ہے؟ یٰٓاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ، اِرْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً۔ تو جو چیز نفسِ مطمئنہ کے حاصل

ہونے کے بعد ایک سالک کو حاصل ہوتی ہے وہ ان کو پہلے سے حاصل ہوئی ہے۔ کیا پھر بھی ان کو سیر الی اللہ کی ضرورت ہے؟ نہیں ان کو سیر الی اللہ کی ضرورت نہیں ہے۔

متن: اور اللہ تبارک و تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے: **لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَ قٰتَلُوا وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى** (تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے فتح (مکہ) سے پہلے (مال) خرچ کیا اور جنگیں لڑیں، برابر نہیں ہو سکتے (بلکہ) یہ لوگ مرتبے میں ان سے بہت بڑے ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا۔ اور جنگیں لڑیں اور ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے بہت اچھا وعدہ کیا ہے)۔

جب ان تمام صحابہ کو جنہوں نے فتح مکہ سے قبل اور فتح مکہ کے بعد انفاق و مقاتلہ (مال خرچ کرنا اور جہاد کرنا) کیا ہے ان کو بہشت کی بشارت دی گئی تو ان اکابر صحابہ کی نسبت جو انفاق و مقاتلہ اور مہاجرۃ میں سابق تر ہیں کیا کہا جائے اور کیا کلام کیا جائے، ان کے درجات کی عظمت کا ادراک کیسے کیا جا سکتا ہے کہ وہ کیا ہیں۔ اہل تفسیر کہتے ہیں کہ آیہ کریمہ: " لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَ قٰتَلُوا وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى " حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے جو انفاق و مقاتلہ میں اسبق سابقان (سابقین میں بھی سب سے پہلے) ہیں۔ اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ فرماتا ہے: **لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ** (یقینا اللہ تعالیٰ مومنین سے راضی ہو گیا جبکہ وہ تمہارے ہاتھ پر (ببول کے) درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے)۔

امام محی السنۃ (بغوی) نے (اپنی تفسیر) معالم التنزیل میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ ان میں سے کوئی ایک شخص بھی دوزخ میں نہیں جائے گا جنہوں نے (حدیبیہ میں) درخت

کے نیچے بیعت کی ہے۔ جس کو "بیعت الرضوان" کہتے ہیں۔ کیونکہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ اس جماعت سے خوش ہو گیا۔ اور اس میں شک نہیں ہے کہ ایسے شخص کی تکفیر کرنا جس کو کتاب و سنت کے لحاظ سے جنت کی بشارت مل چکی ہو بدترین برائی اور کفر ہے۔

مقدمہ پنجم: یہ کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا کاغذلانے میں توقف کرنا رد و انکار کی وجہ سے نہیں تھا۔ عیاذا باللہ سبحانہ علی ذلک۔ (اس بات سے اللہ سبحانہٗ کی پناہ)۔ اس قسم کی بے ادبی اس پیغمبر کے وزیروں اور ہم نشینوں سے کیسے سرزد ہو سکتی ہے جو "خلق عظیم" کے ساتھ متصف ہے، بلکہ کسی ادنیٰ صحابی سے بھی جو کہ ایک یا دو بار حضرت خیر البشر کی شرفِ صحبت سے مشرف ہو چکا ہو اس بات کی توقع نہیں کی جا سکتی، بلکہ آپ کے عام امتی جو دولتِ اسلام سے سعادت مند ہو چکے ہیں ان سے بھی اس قسم کے رد و انکار کا وہم بھی نہیں ہو سکتا۔ پھر بھلا اس شخص سے جو اکابرین وزراء اور ہم نشینوں میں سے ہو اور مہاجرین و انصار کے لوگوں میں سے بھی عظمت والا ہو اس کے متعلق کس طرح اس قسم کا خیال کیا جا سکتا ہے۔ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ و تقدس انصاف عطا فرمائے کہ ان اکابرینِ دین کے ساتھ سوءِ ظن پیدا نہ کریں اور بغیر سمجھے ہر کلمہ و کلام پر گرفت نہ کریں۔

حضرت فاروقؓ کا مقصد و ارادہ استفہام و استفسار یعنی دریافت کرنا تھا چنانچہ انہوں نے فرمایا: استفہموہ۔ (اس بات کی سمجھ حاصل کرو) یعنی اگر دوبارہ کاغذ طلب فرمائیں تو پیش کیا جائے۔ اور اگر اس بارے میں دوبارہ طلب نہ کریں تو ایسے نازک وقت میں آپ کو تکلیف نہیں دینی چاہیے۔

تشریح: وہی جو میں نے بات عرض کی تھی کہ اگر یہ حکم وحی کے طور پر ہوتا تو پھر دوبارہ بھی کرتے، کیوں؟ وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے فرائض نبوت میں کمی نہیں کر سکتے اور وہ بھی آخر وقت میں یہ کیسے ہو سکتا

تھا؟ تو یہ بات اس طرح تھی کہ فرائضِ نبوت والی بات نہیں تھی۔

متن: کیونکہ اگر وحی اور امر کی وجہ سے آپ نے کاغذ طلب فرمایا ہے تو اس کو تاکید اور مبالغہ کے ساتھ طلب فرمائیں گے اور جس کام کے لیے آپ مامور ہیں ضرور کریں گے، کیونکہ وحی کی تبلیغ نبی پر لازم ہے۔ اور اگر یہ (کاغذ کی) طلب وحی اور امر سے نہیں ہے بلکہ اپنے اجتہاد و فکر سے کچھ تحریر کرانا چاہتے ہیں تو اس کے لیے بھی یہ وقت مناسب نہیں ہے۔ آپ کے وصال کے بعد بھی سلسلۂ اجتہاد باقی ہے۔ آپ کی امت (کے مجتہد) کتاب اللہ سے جو دین کا اصل اصول ہے احکامِ اجتہادیہ کا استنباط کر لیں گے۔

تشریح: حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کا بالکل آخری وقت تھا ایک فقہی مسئلے پر بحث چل رہی تھی تو حضرت کی تکلیف کو دیکھ کر ان کے شاگردوں اور دوستوں نے کہا کہ حضرت! اب آپ اس بوجھ کو نہ اُٹھائیں، اب آپ چھوڑ دیں، ہم بعد میں کر لیں گے۔ تو حضرت نے فرمایا کہ ایک علمی مسئلے کو میں اپنی زندگی میں تکمیل تک پہنچاؤں، یہ میرے لیے زیادہ پسندیدہ ہے کہ اس کو ویسے ہی چھوڑ دوں۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان کے ساتھیوں نے بھی ان کی تکلیف کو دیکھ کر کہا کہ آپ اس میں اب شمولیت نہ کریں، ہم کر لیں گے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف کو دیکھ کر یہی کہا تھا۔ کیونکہ اصول طے ہو چکے ہیں، دین مکمل ہو چکا ہے۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ مجھے بتائیں کہ یہ واقعہ اس کے بعد ہوا ہے یا پہلے ہوا ہے؟ بعد میں ہوا ہے ناں۔ تو جب بعد میں ہوا ہے تو دین تو مکمل ہو چکا تھا۔ مکمل دین میں جو اصول تھے وہ تو وضع ہو چکے تھے۔ تو ان اصولوں کے مطابق مسئلے کو بعد میں طے کیا جا سکتا تھا۔ سمجھ میں آگئی یہ بات۔ وہ تو طے ہو سکتا تھا۔ تو حضرت نے یہی کیا ہے۔

متن: اور جبکہ آپؐ کی موجودگی میں نزولِ وحی کے دوران اجتہاد کرنے والوں کے لیے استنباط کرنے کی گنجائش تھی تو آپ کے ارتحال کے بعد جو کہ انقطاعِ وحی کا زمانہ ہے بطریقِ اولیٰ اہلِ علم کا استنباط و اجتہاد مقبول ہو گا۔ اور چونکہ آں سرور علیه وعلیٰ آله الصلوٰة والسلام نے اس (قلم و کاغذ کے) بارے میں دوبارہ کوئی اہتمام نہیں فرمایا بلکہ اس امر سے اعراض کر لیا تو معلوم ہوا کہ وہ امر از روئے وحی نہیں تھا۔ اور وہ تامل و توقف جو استفسار کے لیے ہو ہر گز مذموم نہیں ہے۔

(چنانچہ) ملائکہ کرام نے حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیه وعلیہم الصلوٰة والسلام کی خلافت کی وجہ دریافت کرنے کے لیے (حق تعالیٰ سے) عرض کیا تھا: اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ۔ (کیا تو اس (زمین) میں ایسے آدمی کو (خلیفہ) بنانا چاہتا ہے جو اس میں فساد اور خونریزی کرے اور ہم تیری تعریف کی تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں)۔

اور (اسی طرح) حضرت زکریا نے بھی حضرت یحییٰ علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰة والسلام کی ولادت کی بشارت کے وقت عرض کیا تھا: رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ كَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا (میرے ہاں لڑکا کیسے پیدا ہو گا جبکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی حد کو پہنچ چکا ہوں)۔ اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا نے کہا تھا: اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا (میرے ہاں لڑکا کیسے پیدا ہو گا حالانکہ مجھ کو کسی مرد نے چھوا تک نہیں اور نہ میں بدکار ہوں)۔ اگر حضرت فاروقؓ نے بھی استفہام و استفسار کے طور پر کاغذ لانے میں توقف کیا تو کیا مضائقہ ہے اور یہ شور و شر کیوں ہے؟

تشریح: مطلب یہ جو قرآن پاک کے آیات کے حوالے حضرت

نے دیئے ہیں ان میں بھی استفسار کے لئے توقف کیا گیا ہے اور مخلوق نے خالق سے استفسار کیا ہے اور وہ توقف جو کہ استفسار کے لئے ہو وہ مذموم نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا توقف بھی استفسار کے لئے تھا اس وجہ سے اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

متن: مقدمہ ششم یہ کہ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی شرفِ صحبت کی وجہ سے آپ کے اصحابِ کرامؓ کے ساتھ حسنِ ظن کا حصول درکار ہے۔ اور یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ تمام زمانوں سے بہترین ہے۔ اور نیز یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ آپؐ کے اصحاب انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کے بعد تمام بنی آدم سے بہتر ہیں۔ تاکہ یقین ہو جائے کہ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے ارتحال کے بعد کا زمانہ بھی بہترین زمانہ ہے۔ اور وہ جماعت جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے بعد بہترین بنی آدم ہوں وہ امر باطل پر اجتماع و اتفاق نہ کریں گے۔ اور ایسے لوگوں کو ہر گز حضرت خیر البشر ﷺ کا جانشین نہیں بنائیں گے جو نعوذ باللہ کافر یا فاسق ہوں۔

تشریح: یہ حضرت نے ایک اور اصول بیان فرمایا اور وہ یہ کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے لوگ کسی غلط بات پر جمع نہیں ہوں گے۔ اور اُس وقت امت صرف صحابہ تھے۔ تو جب سارے صحابہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات سے متفق ہو گئے تو یہی بات حق تھی۔

متن: اور یہ جو ہم نے کہا کہ اصحابِ کرامؓ تمام بنی آدم سے بہتر ہیں اس لیے کہا کہ یہ امت نصِ قرآنی کی بنا پر "خیر الامم" ہے اور اس امت کے بہترین افراد ہی (صحابہ کرامؓ) ہیں کیونکہ کوئی ولی صحابہؓ کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ لہٰذا کچھ تو انصاف کرنا چاہیے اور سمجھنا چاہیے کہ اگر حضرت فاروقؓ کا کاغذ لانے سے انکار کرنا معاذ اللہ کفر تھا تو پھر حضرت صدیقؓ جو

نصِ قرآنی کے مطابق اس امتِ خیر الامم کے سب سے زیادہ متقی اور پرہیز گار ہیں وہ ان کی خلافت کی تصریح و تعین نہ کرتے، اور مہاجر و انصار جن کی قرآن مجید میں حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے تعریف فرمائی ہے اور (اللہ تعالیٰ) ان سے راضی ہوا ہے اور ان سے جنت کا وعدہ کیا ہے، ان سے بیعت نہ کرتے اور ان کو پیغمبر کا جانشین نہ بناتے۔ اور چونکہ آں سرور اور ان کے اصحاب علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی صحبت کا حسنِ ظن "مقدمۂ محبت" ہے وہ ان کو حاصل ہو گیا لہٰذا اس قسم کے شبہات کی تنگی سے بھی نجات میسر ہو گئی، اور ان شکوک کا ظاہری طور پر باطل ہونا معلوم ہو گیا۔

اور اگر عیاذا باللہ سبحانہٗ (اللہ سبحانہٗ کی پناہ) آپ کی اور آپ کے اصحاب علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی صحبت کا حسنِ ظن پیدا نہ ہوا اور بدگمانیوں کی نوبت آ گئی تو یہ سوءِ ظن لازمی طور پر اس صحبت والے (اصحاب کرام) اور ان اصحاب کے صاحب (پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام) تک پہنچے گی، بلکہ اس بدگمانی کا سلسلہ آں حضرت ﷺ کے مولا (جل شانہٗ) تک پہنچ جائے گا۔ اس امر کی برائی کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔

تشریح: کیونکہ صحابہ کی تصدیق پیغمبر نے کی ہے۔ باقاعدہ واضح طور پر حدیث شریف ہے: اَللهُ اَللهُ فِي أَصْحَابِي لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِي فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ۔ اے میرے امتیو! میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ جو ان کے ساتھ محبت رکھتا ہے وہ اصل میں میرے ساتھ محبت کی وجہ سے محبت رکھتا ہے، اور جو ان کے ساتھ بغض رکھتا ہے وہ میرے ساتھ بغض کی وجہ سے بغض رکھتے ہیں۔ تو گویا کہ آپ ﷺ نے صحابہ کی ہر چیز کو own کر لیا۔ اور مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَا اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا (سورۃ النساء آیت 80)۔ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ

ﷺ کی ساری باتوں کو own کر لیا۔ تو جس نے صحابہ کا انکار کیا، اس نے رسول کا انکار کیا، اور جس نے رسول کا انکار کیا اس نے اللہ کا انکار کر دیا۔ وہ بچ ہی نہیں سکتا۔ تو اصل میں یہ بات حضرت فرما رہے ہیں۔

متن: جس شخص نے صحابۂ کرامؓ کی عزت و توقیر نہ کی تو گویا اس کا رسول اللہ ﷺ پر بھی ایمان نہیں ہے۔ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان کی شان میں فرمایا: من احبهم فبحبی احبهم ومن ابغضهم فببغضی ابغضهم۔ (رواہ الترمذی) (جس نے میرے اصحاب سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے ساتھ بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا)۔ لہٰذا آپ کے اصحاب کی محبت آپ علیه وعليهم الصلوات والتسلیمات کی محبت کے لیے لازمی ہے اور اصحاب کرام کے ساتھ بغض گویا آپ علیه وعليهم الصلوات والتسليمات والتحيات۔ کے بغض کو مستلزم ہے۔اور جب یہ مقدمات آپ کو معلوم ہو گئے تو بے تکلف ان شبہات اور اسی طرح کے دوسرے شبہات کا جواب بھی حاصل ہو گیا بلکہ بہت سے جوابات مل گئے، کیونکہ ان مقدمات میں سے ہر مقدمے کے لیے کہا جا سکتا ہے کہ متعدد جوابوں میں سے ایک مستقل جواب ہے، جیسا کہ بیان کیا گیا۔ اور ان مقدمات کا مقصد اللہ سبحانہٗ کی مدد سے ان شبہات کا قلع قمع کرنا ہے اور ان شکوک کے دفعیہ میں نظر سے گزر کر فراست میں لے آنا ہے۔جیسا کہ صاحبِ فراست اور منصف حضرات پر پوشیدہ نہیں ہے۔ حدس (فراست) کا لفظ صرفہ احتیاطاً زبان پر لایا گیا ہے ورنہ اس قسم کے اعتراضات کھلم کھلا جھوٹ ہیں اور وہ مقدمات جو ان شبہات کے جھوٹ ثابت کرنے کے سلسلہ میں بیان کیے گئے ہیں وہ تنبیہات کی قسم سے ہیں بلکہ ان پر بداہت ہیں۔ اس قسم کے شبہات و شکوک اس فقیر کے نزدیک اس طرح ہیں جیسے کوئی

صاحبِ فن (چالاک آدمی) بے وقوفوں کی جماعت کے پاس آئے اور ایک پتھر کو جوان کو بھی پتھر ہی معلوم ہو رہا ہے اپنے دلائل و مقدمات کے ذریعے اس (پتھر) کو ثابت کر دے کہ وہ سونا ہے، اور یہ بیچارے چونکہ ملمع شدہ دلائل کے دفع کرنے میں عاجز ہو جائیں اور ان دلائل کے غلط مواد کی تعیین و تشخیص سے قاصر رہیں اس لیے مجبور ہو کر شبہ میں پڑ جائیں اور اس پتھر کو سونا یقین کر لیں، اور اپنی حِس کو فراموش کر دیں بلکہ اس کو متہم کریں۔ کوئی ایسا ہوشیار اور ذی فہم شخص ہونا چاہیے جو ان میں حِس کی بداہت پر اعتماد پیدا کرے اور ملمع شدہ مقدمات کو متہم کرے۔

تشریح: مقصد یہ ہے کہ ان لوگوں نے منطق پڑھی ہوتی ہے۔ آپ کو پتہ ہے کہ ان کا سارا زور منطق پر ہوتا ہے۔ اور منطق کے زور سے یہ آگے پیچھے کر کے جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ ثابت کرتے ہیں۔ تو جو لوگ ان چیزوں کو نہیں جانتے وہ مارے جاتے ہیں۔

باپ نے بیٹے کو مدرسے میں بھیجا منطق پڑھنے کے لیے۔ وہ منطق پڑھ کر آیا تو ناشتہ کر رہے تھے اور سامنے ایک انڈہ پڑا تھا۔ تو بیٹے نے کہا کہ بابا جی! میں نے منطق سیکھ لی ہے اور میں منطق کے زور سے ثابت کر سکتا ہوں کہ یہ انڈہ ایک نہیں دو ہیں۔ خیر وہ بھی اس کا باپ تھا، اس نے کہا، ٹھیک ہے بیٹا! اس نے ایک بڑا سا روٹی کا ٹکڑا اٹھا کر اس انڈے کو اس پر رکھا اور کہا یہ ایک انڈہ تو میں نے کھا لیا، دوسرا تم کھا لینا۔

تو حقیقت حقیقت ہوتی ہے، منطق منطق ہوتی ہے۔ تو اس لحاظ سے منطقی دلائل کا مقصد یہی ہوتا ہے۔

متن: اور جو معاملہ ہمارے سامنے ہے اس میں بھی خلفائے ثلاثہ کی بزرگی و عظمت بلکہ حضرت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے تمام اصحابِ کرامؓ کی بزرگی اور درجات کی بلندی بمقتضائے کتاب و سنت محسوس و

مشاہد ہے۔ ان بزرگوں پر جرح و قدح کرنے والے اپنے ملمع شدہ دلائل کے ساتھ ان پر طعنہ زنی کرتے ہیں وہ اس پتھر کی مانند ہیں جس کو وہ سونا ظاہر کرتے ہیں اور لوگوں کو راہِ راست سے بھٹکا رہے ہیں۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔ (اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ہدایت فرمانے کے بعد کجی سے بچا اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا فرما، بیشک تو بہت عطا فرمانے والا ہے)۔

کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ ان اکابر دین پر سب و شتم کرنے اور اسلام کے بزرگوں پر طعنہ زنی کرنے پر ان لوگوں کو کس چیز نے آمادہ کیا ہے؟ حالانکہ فاسقوں اور کافروں میں سے کسی کو گالی دینا اور طعن کرنا شرع شریف میں عبادت و کرامت اور فضیلت، نجات کا وسیلہ نہیں سمجھا جاتا تو پھر دین کے ہادیوں کو گالیاں دینا اور اسلام کے حامیوں پر طعن کرنا کس طرح عبادت ہو سکتا ہے۔

تشریح: میں اس میں سے ایک سوال کرتا ہوں کہ جو ان کے بڑے ہیں، جو اس طرح کی باتیں کرتے ہیں، وہ اپنے ان بڑوں کے ساتھیوں کو بہت اونچا مقام دیتے ہیں، چونکہ ان کے ساتھی ہیں، تو مجھے بتاؤ کہ جو آپ ﷺ کے ساتھی تھے، ان کو آپ یہ مقام کیوں نہیں دیتے؟ کیا یہ آپ ﷺ پر تہمت نہیں ہے؟ مطلب تمہارے بڑے کے مصاحبین وہ تو ٹھیک ہو گئے، کیونکہ وہ تمہارے بڑے کے مصاحبین ہیں اور یہ آپ ﷺ کے مصاحبین ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مصاحبین کو تو کچھ نہیں سمجھتے اور اپنے بڑے کے مصاحبین کو بڑا سمجھتے ہیں تو یہ کون سی چیز ہے؟ یہ وہی پتھر کو سونا ثابت کرنے والی بات ہے ناں۔ تو یہ خوامخواہ کا ایک غیر فطری عمل ہے۔ اللہ جل شانہٗ ہمیں اس غیر فطری عمل سے محفوظ فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اصل بات تک پہنچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ۔

مقامات قطبیہ ومقا ت قدسیہ

باب اول حضرت کاکاصاحبؒ کے اوصافِ حمیدہ کا بیان

تشریح

حضرت سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم

متن: مناقب ہذا کے بارے میں ضعیف اور کمزور جامع (شیخ عبدالحلیم صاحب فرزند کاکا صاحبؒ) عرض کرتا ہے کہ ایک دن میں نے اپنے شیخ صاحبؒ سے عرض کیا کہ اے حضرت شیخ آپ کے پیر و مرشد محترم کون صاحب ہیں؟ انھوں نے جواب فرمایا کہ خدا مجھے آپ کا درد نہ دکھائے۔ یہ خاص الفاظ حضرت صاحبؒ کے معمول تھے جو کہ مہربانی اور تلطف کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ شیخی کو میں نے شیخوں یعنی مشائخ کے لیے چھوڑ دیا، پیری کو پیروں کے واگذار کر دیا، سلوک سالکوں کو بخش دیا، تصوف صوفیوں کے لیے چھوڑ دیا، میں تو یہ چاہتا ہوں اور میری حالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بندگی کی زنجیر میرے گلے میں ڈال دی ہے ،چاہتا ہوں کہ یہ زنجیر میری گردن میں پڑی رہے اور میری گردن سے جدا نہ ہو، بیت

رشتہ در گردنم افگندہ دوست
می برو ہر جاکہ خاطر خواہ اوست

" میری گردن میں دوست نے رسی ڈال رکھی ہے اور جس طرف کہ اُس کی مرضی ہو مجھے کھینچے لیے جارہا ہے "

پس یہ عبودیت کا مقام ہے اور عبودیت کے بہت سے اور بکثرت درجات ہیں۔

بیت

باد و قبلہ در رہ توحید نتواں رفت راست
یارضائے دوست باید یا ہوائے خویشتن

" توحید کے راستے پر دو قبلوں کی طرف رخ کر کے نہیں چلا جاتا۔ یا دوست کی مرضی پر چلنا ہوتا ہے اور یا اپنی خواہش پر "

بیت

گرمراد دزخ بسو زند خاکسارے گو مباش
ور مرا جنت نبا شد بوستانے گو مباش

مناسگ اصحاب کہفم بردرمرداں مقیم
گرد ہر در نے مگر دم استخوانے گو مباش

" اگر مجھے دوزخ جلائے تو بھی مجھے کچھ پر واہ نہیں، اور اگر میرے لئے جنت نہ ہو تو ایک باغ کی بھی مجھے حاجت نہیں۔ میں اصحاب کہف کا کتا ہوں، اوراُن جواں مردوں کے دروازے پر قیام پذیر ہوں، میں ہر دروازے پر نہیں جاتا، کیونکہ مجھے ہڈی کی کوئی ضرورت اورخواہش نہیں "

اور یہ مقام حجت ذاتی ہے۔ اللّٰھم ارزقْنَا۔ اے خدایہ ہمیں نصیب فرما، اور عبودیت مقامِ رضا ہے۔ اگر تم پر کوئی افتاد آں پڑے تو قضائے الٰہی پر عمل کرو۔ قضائے الٰہی پر رضا مندی اختیار کرنا اور اس پر چوں و چرا نہ کرنا مقامِ رضا وعبودیت ہے۔ جب عبدیت کا شرف و سعادت نصیب ہوجائے تو لازمی طور پر کرامت کا تاج اور امامت کی خلعت حاصل ہوتی ہے۔سُبْحٰنَ الَّذِیٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ۔ پاک ہے وہ ذات جس نے رات کے وقت اپنے عبد کو سیر کرائی میں اسی جانب (عبد) اشارہ ہے اور یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ وَلَا اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ۔ یہ اسی (عبدیت) کا نتیجہ ہے۔

تشریح: اصل میں واقعتاً حضرتؒ کی جو تربیت ہوئی وہ اویسی طریقے سے ہوئی تھی۔ حضرت کو اویسی نسبت حاصل تھی۔ حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسا روحانی رشتہ تھا جس کے ذریعے سے آپ کی تربیت ہو رہی تھی۔ البتہ چونکہ اپنے کسی زندہ شیخ سے تعلق رکھنا ضروری ہوتا ہے، کیونکہ اُس پر ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس لئے کوئی زندہ ذریعہ موجود ہونا چاہئے۔ حضرت کے بارے میں ابھی ان شاء اللہ آگے بات آئے گی۔ چونکہ حضرت کے والد صاحب حضرت بہادر باباؒ بہت بڑے ولی اللہ تھے اور حضرت کی جو ارادت ظاہر ہو رہی ہے، وہ اپنے والد صاحب سے تھی۔ گویا کہ حضرت کے طریقے پر سہروردی طریقہ میں تربیت ہوئی ہے۔ بیعت لازمی نہیں ہوتا مستحسن ہوتا ہے۔ جو حضرات کسی کی تربیت میں ہوتے ہیں وہی کافی ہوتا ہے۔ تربیت اصل ہے بیعت اس کے لئے ایک ذریعہ ہے۔ بعض لوگ بیعت تو ہو جاتے ہیں لیکن ان کی تربیت نہیں ہوتی کیونکہ اُنہوں نے بیعت کے مقصد کو سمجھا نہیں ہوتا۔ وہ بیعت کو کافی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ بیعت ہونا کافی نہیں ہے تربیت کا ہونا کافی ہے۔ تربیت اگر ہو اور بیعت نہ ہو تو کام ہو جاتا ہے۔ بیعت اگر ہو اور تربیت نہ ہو تو کام نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے یہ بنیادی بات ہے کہ انسان کی تربیت ہونی چاہئے۔ تو حضرت کو تربیت کی جگہ حاصل تھی اور وہ ماشاء اللہ حضرت کے والد صاحب تھے۔ کیونکہ باقی حضرات کی جب وہ تربیت فرما رہے تھے تو اپنی اولاد کیلئے تو کیا کچھ نہ چھوڑا ہو گا؟ لیکن بظاہر کسی اور شیخ سے حضرت کا بیعت ہونا ثابت نہیں ہے۔ اشارے بہت ملتے ہیں لیکن کوئی ایک اشارہ بھی نتیجے تک نہیں پہنچتا محض اشارہ ہی رہ گیا ہے۔ مطلب ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ حضرت کاکا صاحبؒ کن سے بیعت تھے۔ البتہ حضرت کی تربیت بنیادی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کے ذریعے سے ہوئی ہے۔ یہ آج کل کی بات نہیں ہے بلکہ بہت پہلے سے چلی آ رہی ہے۔ اسی کو اویسی نسبت کہتے ہیں۔

میرا اپنا بھی جو قلبی ذوق ہے وہ یہ کہتا ہے کہ تقریباً ہر بڑا شیخ جو گزرا ہے اس کی نسبت اویسی ہوتی ہے۔ بعد میں ظاہری طریقے سے کسی کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ ہمارے بڑے بڑے اکابر مثلاً حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کو حضور ﷺ نے میاں جی نور محمد جھنجھانویؒ کے حوالے کیا تھا۔ آپ ﷺ نے خواب میں فرمایا تھا تو حاجی صاحبؒ باقاعدہ ان کی تلاش میں تھے اور حضرت کو اتنا وثوق تھا کہ جن کو دکھایا گیا تھا باقاعدہ اُن کا چہرہ یاد تھا اور ان کو ڈھونڈ رہے تھے۔ لیکن جہاں بھی جاتے اور وہ چہرہ نہ پاتے تو آگے بڑھ جاتے۔ آخیر میں کسی نے کہا کہ جھنجھانہ میں بھی ایک بزرگ ہیں آپ وہاں جائیں ممکن ہے وہی ہوں۔ واقعی جب ان کو دیکھا تو وہ وہی تھے فوراً جاکر حضرت کے قدموں میں پڑ گئے اور عرض کیا کہ حضرت مجھے اپنی فرزندی میں لے لیجئے۔ حضرتؒ نے بھی ان کو پہچان لیا اور کندھوں سے پکڑ کر اٹھایا اور فرمایا، تمہیں اپنے خواب پر بڑا وثوق ہے ؟۔ اس واقعہ کو حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ نے اپنی کتاب تاریخ مشائخِ چشت میں بیان فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت کو بھی پتا تھا کہ میں ان کو دکھایا گیا ہوں۔ تو واقعی بعض حضرات کی تربیت روحانیت کے عالم میں ہو جاتی ہے لیکن ان کو پھر کسی کے پاس بھیج دیا جاتا ہے۔ تو حضرت کاکا صاحبؒ کی روحانی تربیت بچپن سے ہوئی تھی جیسا کہ حضرت کے سوانح میں ہے۔ لیکن اس نظام کی شفافیت کے لئے اللہ تعالیٰ ایسے حضرات کو بھی پھر کسی زندہ شیخ کی طرف بھیج دیتے ہیں۔ حلیم گُل باباؒ چونکہ عالم تھے لہٰذا تسلی کے لئے اپنے والد سے تحقیقی طور پر پوچھا کہ آپ کے مرشد کون ہیں؟ حضرت نے جواب میں وہ بات فرما دی جس سے حضرت کا جو مقام تھا وہ بھی چُھپ گیا اور ساتھ ہی ایک قیمتی بات بھی فرمادی۔ اپنا مقام بھی چھپایا اور یہ نہیں فرمایا کہ آپ ﷺ نے میری تربیت فرمائی چونکہ یہ سب کے لئے مناسب نہیں تھا لہٰذا حضرت نے اپنی بات چھپا لی اور ساتھ ہی بہت قیمتی بات بھی فرمائی اور وہ قیمتی بات کیا ہے؟ وہ بات سنہرے

الفاظ میں لکھنے کے قابل ہے اور جو تصوف کا ماحاصل ہے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے۔ آمین۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کا ذوق نصیب فرمائے۔ ذوق ایک علمی چیز ہے مگر اس کو حاصل کرنا یہ عمل سے ہی ہوتا ہے۔ توحضرت نے یہ بات فرمائی کہ میں نے شیخی شیخوں کے حوالے کی، پیری پیروں کے حوالے کی، سلوک سالکوں کو بخش دیا، تصوف صوفیوں کے لئے چھوڑ دیا۔یعنی جو عالی مراتب تھے اُن سب سے اپنے آپ کو فارغ کر دیا اور ساتھ میں یہ فرمایا کہ اللہ جل شانہ نے اپنی بندگی کی جو زنجیر میرے گلے میں ڈالی ہے چاہتا ہوں کہ یہ زنجیر میرے گلے میں پڑی رہے۔ اس کو عبدیتِ محض کہتے ہیں کہ بس میں اللہ کا بندہ ہوں اور اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ میں صرف اللہ کا بندہ ہوں۔ بہت سے لوگ اپنی تحریروں میں لکھتے ہیں بندہ ناچیز، یعنی میں بندہ ہوں ناچیز ہوں۔ بندہ ضعیف بھی لکھتے ہیں۔ لیکن بس وہی دل و قلم اور دل و زبان کا فرق ہوتا ہے۔اگر واقعی یہ چیز دل میں آجائے کہ بندہ ضعیف، تو بات ہی ختم ہو جائے۔ لیکن دل Titles میں چھپا ہوتا ہے۔ کوئی نہ کوئی Title چاہئے ہوتا ہے۔ آپ اندازہ کریں کہ اس راہِ طریق کا سب سے بڑا طوق خلافت کی سوچ ہے۔اس سے وہی بچتا ہے جو بہت خوش نصیب ہو۔ اس سے اگر اللہ تعالیٰ کسی کو بچائے تو اُس کا بہت بڑا کرم ہے۔ ورنہ دل Titles میں چُھپا ہوتا ہے۔ البتہ جو اللہ والے ہوتے ہیں اُن کے دل اور زبان کی بات ایک ہوتی ہے۔ کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ہی لے لیں کہ اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ کسی چیز کی طرف دھیان ہی نہیں تھا۔ دھیان تھا تو صرف اللہ کی طرف اور یہ کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اگر یہ بات ہمیں سمجھ آ جائے تو کیا بات ہے۔ پھر تو ہماری ساری باتیں صاف ہو جائیں گی۔ لیکن ایسا کہاں ہوتا ہے؟ ایسا ہوتا نہیں ہے۔ ہماری بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کی وجہ سے ہم اپنے آپ کو پھنساتے رہتے ہیں۔یہاں پر اگر کوئی شخص عبدیت کو چاہے تو تاجِ خلافت خودبخود حاصل ہو جائے۔ لیکن

صحیح بندگی کو حاصل کرنا مشکل کام ہے۔ صحیح بندگی نفسانیت کے خاتمے کا نام ہے۔ عبدیت کیا ہے؟ یہ نفسانیت کے خاتمے کا نام ہے اور روحانیت کے چھا جانے کا نام ہے۔ اب اتنی روحانیت کو پیدا کرنا اور اتنی نفسانیت کو ختم کرنا اسی کے لئے تو سارے پاپڑ بیلے جاتے ہیں۔ تو جب تک نفسانیت موجود ہے بندگی نہیں آتی۔ جیسا کہ آگے شعر میں بالکل واضح طور پر فرمایا ہے۔

متن:

باد و قبلہ در رہ توحید نتواں رفت راست
یا رضائے دوست باید یا ہوائے خویشتن

"توحید کے راستے پر دو قبلوں کی طرف رخ کر کے نہیں چلا جاتا۔ یا دوست کی مرضی پر چلنا ہوتا ہے اور یا اپنی خواہش پر "

تشریح: ایک روڈ اِدھر ہے اور ایک روڈ اُدھر ہے۔ اگر اِدھر ہے تو پھر اُدھر نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر نفسانیت ہے یعنی اپنے نفس کا اتباع ہے تو پھر بندگی نہیں ہے جیسا کہ قرآن مجید میں بھی ہے۔ "اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَه هَوَىٰهُ " کہ کیا تم نے نہیں دیکھا اُس کو جس نے اپنے ہوا و ہوس کو اپنا معبود بنایا ہے۔ جو نفس کو اپنا معبود بنا لیتا ہے کیا وہ توحید پر چل رہا ہے؟ وہ توحید پر تو نہیں چل رہا۔ توحید پر آنے کے لئے اسی نفسانیت کو ختم کرنا ہوتا ہے اور یہی بڑا مشکل کام ہے۔ اگر آپ اوپر جانا چاہتے ہیں تو آپ کو جو نیچے لے جانے والی چیز ہے اسکو ختم کرنا پڑے گا اور وہ نیچے لے جانے والی چیز کیا ہے؟ وہ ثقل ہے، نفسانیت ہے اور اوپر جانا روحانیت ہے۔ اب اگر نفسانیت کمزور ہے تو تم نیچے نہیں جاؤ گے۔ انسان ہر وقت کسی نا کسی حالت پر ہوتا ہے۔ تو تمام احوالوں کو جو بیان کیا جا سکتا ہے وہ اس طریقے سے بیان کیا جا سکتا ہے کہ اوپر کا جو راستہ ہے اس کو روحانیت کہیں اور جو نیچے کا رستہ ہے اُس کو نفسانیت کہیں۔

میں اکثر غبارے کی مثال دیتا ہوں کہ غبارے میں ہائیڈروجن بھریں گے تو اوپر جائے گا لیکن غبارے کا جو اپنا وزن ہے وہ کم ہو گا تو زیادہ اوپر جائے گا۔ اب جو غبارے کا وزن ہے اس کو کم کرو۔ جیسے جہاز کا ہوتا ہے۔ جہاز ،ایلو مینیم اورایسے Metal کے بنائے جاتے ہیں جو ہلکے ہوتے ہیں لیکن مضبوط ہوتے ہیں اوراس میں جو Lift ہے اس کو بڑھایا جاتا ہے۔ یعنی انجن کی طاقت کو بڑھایا جاتا ہے اور جو اس کا وزن ہے نیچے لانے والا اس کو کم کیا جاتا ہے۔ اب اگر اس کی نیچے لے جانے والی قوت اوپر لے جانے والی قوت سے زیادہ ہو پھر تو آپ اوپر جا ہی نہیں سکتے۔ پھر تو آپ نیچے ہی جائیں گے اور اگر اوپر جانے کی قوت اور نیچے جانے کی قوت برابر ہو جائے تو تم اپنی جگہ پر ہی رہو گے۔ جہاز میں تو یہ نہیں ہو سکتا ہیلی کاپٹر میں یہ ہو سکتا ہے کہ اوپر لے جانے والی طاقت کو اتنا رکھو جتنا کہ بس ٹھہرنے کیلئے کافی ہوتا ہے تو ہیلی کاپٹر خود ہی ایک جگہ پر کھڑا ہو جاتا ہے اور جب اوپر لے جانے والی طاقت بڑھ گئی تو پھر آپ اوپر جائیں گے۔ اوپر جانے کی سپیڈ Depend کرتی ہے اوپر جانے کی طاقت اور نیچے لانے کی کشش کی Ratio پر۔ جیسے جیسے Ratio بڑھتی جائے گی تو اتنی ہیلی کاپٹر کی اُڑان بڑھتی جائے گی۔

اسی طریقے سے ہماری روحانیت اور نفسانیت کی بھی ایک Ratio ہے اور ہمارے اوپر جانے کی سپیڈ اس Ratio پر منحصر ہوتی ہے۔ جتنی جتنی روحانیت بڑھے گی اُتنی اوپر جانے کی سپیڈ بڑھے گی اور جتنی جتنی نفسانیت کم ہو گی اُتنی اُتنی ہماری سپیڈ بڑھے گی۔ اگر روحانیت کو ذکر اذکار اور اُن اعمال سے بڑھایا جائے جن کے ذریعے سے روحانیت بڑھتی ہے اور ساتھ ساتھ مجاہدے سے نفسانیت کو کم کرایا جائے تو پھر سپیڈ بہت تیزی سے بڑھے گی اور اگر نفسانیت کو کم کرتے کرتے بالکل صفر کر دیا جائے تو پھر اوپر جانے کی سپیڈ لا محدود ہو جائے گی۔اسی کو عبدیتِ کاملہ کہتے ہیں جس میں نفسانیت صفر ہے۔

عبدیت کاملہ اور نماز

اگر یہ ہو جائے تو پھر کیا ہے؟ سُبحٰنَ الَّذِیٓ اَسرٰی بِعَبدِہٖ اگر یہ عبدیتِ کاملہ حاصل ہو جائے تو یہ کامل معراج ہے۔ اس لئے کہتے ہیں الصلوٰۃ معراج المؤمنین۔ نماز مومن کی معراج ہے۔ نماز عبدیت کیلئے ہے لہٰذا نمازی کی جو نمازیت ہے وہ جتنی کامل ہو گی اسکی نماز اتنی ہی کامل ہو گی اوراس کو اتنی بلندی پر لے جائے گی۔ نماز میں تمام چیزیں عبدیت کی ہیں۔ عبدیت کاملہ کیا ہے؟ عبدیت کاملہ یہ ہے کہ بندہ یہ کہے کہ اے اللہ بس میں تیرا بندہ ہوں۔ میری اپنی کوئی مرضی نہیں جو تیرا حکم ہو گا بس میں وہی کروں گا۔ یہ عبدیت کاملہ ہے۔ اب نماز میں دیکھیں، قیام بھی اسی لئے ہے کہ انسان عملاً یہ کہتا ہے کہ میں بس تیرے حکم کے سامنے کھڑا ہوں۔ جو بھی تیرا حکم ہو گا میں اُس پر عمل کروں گا۔ نماز میں ہم کہتے ہیں "اللہ اکبر" تو یہ نفسانیت کو پیچھے رکھ دیا۔اب میں اِدھر نہیں ہوں بلکہ میں اللہ کے پاس ہوں اور ثناء سے شروع کرتے ہیں جو عبدیت کا خلاصہ ہے۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق بڑھایا جاتا ہے سورۃ فاتحہ کے ذریعے سے۔ پھر اللہ تعالیٰ کو قیام کی حالت میں کلام سنایا جاتا ہے کہ میری زندگی کا منشور تو یہ ہے۔ جب رکوع میں جاتے ہیں تو یوں سمجھ لیں کہ یہ عبدیت کی جانب ایک منزل ہے کہ میں نے اپنے نفس کو تیرے آگے جھکا دیا۔ رکوع کیا ہے؟ اپنے نفس کو اللہ کے آگے جھکانا۔ اس کو رکوع کہتے ہیں۔ رکوع کا مطلب ہے جُھکنا۔ " وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ " اب یہ کہ آپ اللہ کے سامنے جھکتے ہیں لیکن اس میں کیا ہے؟ اس کے اندر کیا پڑھنا ہے؟ اس میں جاتے ہوئے کیا پڑھنا ہے اور واپس آتے ہوئے کیا پڑھنا ہے؟ ان تین چیزوں پر غور کرنا ہے۔جاتے ہوئے کیا پڑھتے ہیں ؟"اللہ اکبر" ۔میں کچھ بھی نہیں۔ میرا نفس نہیں۔ پھر اس کے اندر کیا پڑھتے ہیں "سبحان ربی العظیم" پاک تو میرا رب ہے جو بہت عظمت والا

ہے۔۔پھر جب اوپر جاتے ہیں تو کیا کہتے ہیں؟ "سمع اللہ لمن حمدہ" جس کا حمد کیا اُس نے سن لیا۔ پھر اس کے بعد "ربنا لک الحمد"۔ اصل تعریف تو یااللہ تیرے لئے ہے۔اب میں اپنی تمام تعریفوں (titles) سے جدا ہو گیا۔

یوں کہہ سکتے ہیں نماز میں بنیادی ڈھانچہ دیا جاتا ہے پھر اس میں روح ڈال دی جاتی ہے۔ طریقت کیا ہے؟ یہ نماز کی تکمیل ہے۔ نماز کی صفت پر بندہ آجائے ، یہ طریقت کا مقصد ہے۔ تبلیغی جماعت میں فضائل میں یہ بات بتاتے تھے۔ پتا نہیں اب بتاتے ہیں یا نہیں لیکن پہلے تو بتاتے تھے کہ ہماری جو زندگی ہے وہ نماز کی صفت پر آ جائے۔ نماز میں کیا ہے؟ یہ جو میں عرض کر رہا ہوں اس کو اچھی طرح سمجھیں "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" یہ بظاہر الفاظ ہیں لیکن الفاظ نہیں اس کے اندر بڑی حقیقت ہے۔ اگر اس سے ہمارے دل کی حالت یہی بن جائے جو الفاظ ہم کہہ رہے ہیں تو سبحان اللہ مسئلہ حل ہو جائے گیا۔

پھر اس کے بعد ہم سجدہ میں جاتے ہیں تو کہتے ہیں "اللہ اکبر" اور اس کے بعد گرا دیا اپنا سب کچھ۔ اپنی اشرف ترین جگہ یعنی ماتھا اُس کو نماز میں اسفل ترین جگہ تک گرا دیا۔ اس سے نیچے تو جا نہیں سکتے۔تو وہاں رکھ دیا۔ پھر ہم نے کیا کہہ دیا؟ "سُبْحانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى" یعنی پاک ہے میرا رب جو بلند ہے۔ پھر "سُبْحانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى" پھر اس کے بعد "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" پھر اس کے بعد دوبارہ "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" پھر اس کے بعد "سبحان ربی الاعلیٰ" پس یوں کہہ سکتے ہیں کہ سجدہ جو ہے یہ استمرار ہے۔ جیسے انسان کسی کے سامنے والہانہ طور پر جھکتا ہے تو ایک دفعہ نہیں جھکتا بلکہ بار بار جھکتا ہے۔ تو یہ جو دوبارہ سجدہ میں گیا تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ اس کی اضطراری کیفیت ہے کہ میں تو اپنے رب کے سامنے جھکوں گا۔ میں تو اپنے رب کے سامنے جھکوں گا۔ تو یہ دو سجدوں کی حالت ہو گئی۔ پھر اس کے بعد ہم دوسرے کام کے لئے کھڑے ہو جاتے

ہیں کہ کام کرنا ہے۔ قیام کا مطلب کیا ہے؟ کام کرنا ہے۔ قیام کام کے لئے ہوتا ہے اور سجدہ کیا ہے ؟ یہ کیفیت پیدا کرنے کیلئے ہے کہ جھکنا اللہ کے سامنے ہے اور کھڑا ہونا اس کے حکم کیلئے ہے۔ لہٰذا کہتے ہیں نیت اس وقت بڑی ہو گی انسان کی جب اس کا ہر ہر رُکن اس نیت کے ساتھ ہو۔ تو دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے میں یہ نیت ہو کہ میں اپنے رب کے حکم کے ساتھ دوسرا قیام کرنے جارہا ہوں۔ ورنہ بہترین حالت تو سجدہ کی ہے اسی میں پڑے رہو گے۔ قرآن پاک میں ہے۔ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (یہ سجدہ کی آیت ہے پڑھنے والے پر سجدہ واجب ہو گیا)۔تو بات آرہی ہے کہ اللہ کے سامنے جھکنا ہے۔بنیاد تو یہ ہے۔ قُرب تو اس طریقے سے حاصل ہو گا۔ لیکن قرب کس لئے حاصل کیا جاتا ہے؟ کام کیلئے حاصل کیا جاتا ہے۔ تو اب دوبارہ کام کیلئے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر کیا ہے دو رکعت نماز ہے، تین رکعت، چار رکعت نماز ہے یہ سارا پڑھنے کے بعد بالآخر جو آخری قعدہ ہے جو فرض ہے اس میں کیا کرتے ہیں؟ درمیانی قعدہ بھی ہے لیکن وہ فرض نہیں ہے۔ لیکن آخری قعدہ فرض ہے۔ اس کے اندر ہم کیا کرتے ہیں؟ الصلوۃ معراج المومنین۔ اس کی مناسبت کے لحاظ سے معراج کے واقعے کو درمیان میں رکھا گیا ہے۔ چونکہ بنیادی نماز دو رکعت ہے لہٰذا دو رکعت کے بعد قعدہ واجب ہے چاہے تین رکعات نماز ہو ، چاہئے چار رکعات نماز ہو قعدہ واجب ہے وہ کرنا پڑتا ہے۔اس کے بعد جو آخری قعدہ ہے جو فرض ہے تو اس کے اندر کیا ہے؟ اس کے اندر تشہد ہے۔ تشہد کیا ہے ؟یہ آپ ﷺ کے معراج کے واقعے کی rehearsal ہے۔ معراج کا جو واقعہ ہوا تھا اس میں اللہ جل شانہ نے آپ ﷺ سے پوچھا تھا کہ میرے لئے کیا لائے ہو؟اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں جانی، مالی عبادتیں لایا ہوں۔التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ، وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ۔ یہ میں لے کر آیا ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ۔ تو آپ ﷺ نے عرض کیا۔ السَّلَامُ عَلَيْنَا

وَعَلَى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ تو اس پر فرشتوں نے جھوم کر کہا أَشْهَدُ أَنْ لا إِلَهَ إِلاَّ اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔ تو یہ کیا ہے؟ یہ واقعہ ہے اس کو سلام بھی کہتے ہیں، اس کو تشہد بھی کہتے ہیں اور یہ معراج کے واقعے کا ایک حصہ ہے جو وہاں ہوا تھا۔ جب یہ بات ہے تو قعدہ میں آپ ﷺ کی شان ظاہر ہوئی ہے۔ یعنی واقعہ معراج میں آپ ﷺ کی شان کے لئے جو ہوا تھا قعدہ میں اُس کی منظر کشی کی گئی ہے۔ تو اب مصلِّی (نماز پڑھنے والے) کے اوپر لازم ہے کہ وہ آپ ﷺ پر درود پڑھے۔ معراج کے واقعے سے جو آپ ﷺ کی شان ظاہر ہوئی ہے تو اب کیا ہے کہ آپ ﷺ پر درود پڑھو اور درود پڑھنے کے بعد چونکہ دعائیں قبول ہوتی ہیں لہٰذا دعا بھی کرو اور نماز کا بھی اختتام ہے اور نماز کے اختتام پر بھی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ تو اب دعا کرو۔ ایک عالم تھے مولانا عبد اللہ کاکا خیل صاحبؒ، بڑے عالم تھے اسلامک یونیورسٹی کے ڈین تھے، اُن سے کسی نے پوچھا کہ آپ نماز کے بعد دعا نہیں مانگتے۔ فرمایا مانگتا ہوں۔ پوچھا گیا کب؟ حضرت نے فرمایا کہ نماز کے اندر جو دعا کا وقت ہے اُس میں۔ چونکہ حضرت عالم تھے تو حضرت نماز کے اندر ہی دعائیں کرتے تھے۔ فرض نمازوں کے اندر قرآنی دعائیں مانگی جا سکتی ہیں اور نفلوں اور سنتوں میں حدیث کی دعائیں بھی مانگی جا سکتی ہیں۔ حضرت تو حافظ قرآن بھی تھے اور ماشاء اللہ عربی میں بھی شیخ الادب تھے۔ لہٰذا نماز کے اندر بہت زیادہ دعائیں کرتے تھے باہر اتنی نہیں کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ نماز کے اندر تو دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔ تو میں اس وقت کو کیوں نہ استعمال کر لوں۔ ہم لوگوں نے تو اس میں بس ایک ہی دعا یاد کی ہوتی ہے "رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ" پتا ہی نہیں چلتا کہ کیا مانگا۔ وہ دعا تو ہماری ہوا میں اُڑ جاتی ہے۔ صحیح بات عرض کرتا ہوں کہ نہ تشہد کا پتہ چلتا ہے، نہ درود کا پتا چلتا ہے، نہ دعا کا پتا چلتا ہے اور

سلام پر نماز ختم کر لیتے ہیں۔ لیکن جو اللہ والے ہیں اور جو علماء ہیں جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں تو اُن کا یہ حال ہوتا ہے کہ ان کے لئے ایک دید کا موقع ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا ایک موقع ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ اس وقت اپنی دعائیں اللہ سے مانگ لیتے ہیں۔

اب یہ نماز کیا ہے ؟ یہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ عبدیت کی Rehearsal ہے۔ عبدیت کو حاصل کرنے کی ایک Rehearsal ہے جس میں تمام اعمالِ عبدیت کو جمع کیا گیا ہے۔ یہ فرشتوں کو بھی دیا گیا ہے لیکن جزوی طور پر۔ کوئی رکوع میں ہے، تو کوئی سجدہ میں ہے ، کوئی قیام میں ہے لیکن جامعیت کے ساتھ انسان کو دیا گیا ہے۔ تو انسان کے پاس قیام بھی ہے، رکوع بھی ہے، سجدہ بھی ہے ، قرات بھی ہے۔ یہ جامعیت کے ساتھ انسان کو دیا گیا ہے۔اس وجہ سے آپ ﷺ کو نماز کے ساتھ بہت محبت تھی اور فرماتے تھے ارحنی یا بلال۔ اے بلال ہمیں راحت پہنچاؤ۔

تو یہاں حضرت کاکاصاحب ؒ نے اپنے بارے میں بھی یہی فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عبدیت کا وہ مقام نصیب فرما دے جس کے لئے ہمیں پیدا کیا گیا ہے۔وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔ انسان کا مقصدِ زندگی جو ہے وہ کیا ہے؟ وہ عبدیتِ محض ہے۔ نماز کے بارے میں کہہ سکتے ہیں کہ پوری عبدیت کا ایک منشور ہے۔ باقی پوری زندگی اس صفت پر آنی چاہئے۔ باقی زندگی میں اعمال تو نماز نہیں ہیں لیکن وہ اعمال نماز کی صفت پر ہوں تو پھر وہ عبدیت ہو جائے گی۔ ٹھیک ہے ناں۔ بے شک وہ لیٹرین کو صاف کرنے والا عمل کیوں نہ ہو، اگر ہماری زندگی اُس عمل میں نماز کی صفت پر آچکی ہے تو وہ بھی ہمارا دین ہو گا۔ لیکن اس کے لئے ہمیں نماز کی کیفیت والی چیز کو حاصل کرنا پڑے گا۔

تو یہی بات ہے کہ ایک ہے عبادت اور ایک ہے عبدیت۔ عبادت، عبدیت کا اظہارِ کُلی ہے اور جو باقی زندگی ہے وہ اس کا اظہارِ مقصدی ہے۔

مطلب یہ کہ اس میں ہم لوگ وہ کریں جس کے لئے ہمیں پیدا کیا گیا ہے۔ ہم لوگ اس میں اپنی زندگی کو گزاریں۔

متن:

رباعی:

درگہ خلق ہمہ زرق است و فسوس و ہوس
کار درگاہ خداوند جہاں داردوبس

بندہ خاص ملک باش کہ باداغ ملک
روزہا ایمن از شحنہ و شب ہاز عس

" مخلوق کی درگاہ تمام دھوکہ فریب اور ہوس کاری ہے۔ خدائے جہاں کے دربار کا کام مفید ہے اور بس بادشاہ کا خاص بندہ اور غلام ہو جا، کیونکہ بادشاہ کی غلامی کی نشانی کی وجہ سے دن کے وقت داروغہ سے اور رات کو کوتوال کے دار و گیر سے محفوظ اور امن میں رہو گے"۔

تشریح: یہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر جس کو Assignment دی جاتی ہے تو اس کو ایک کارڈ دیا جاتا ہے وہ لٹکا لیتے ہیں پھر وہ جہاں جاتے ہیں تو اُن کو روکا نہیں جاتا۔ پولیس والے بھی اُس کی رعایت کرتے ہیں۔ تو اگر کوئی خدمت میں ہے تو خدمت والوں کو تو نہیں روکا جاتا۔ لہٰذا ہم اللہ تعالیٰ کے غلام ہیں یعنی اگر یہ صفت ہم پر آئی ہے تو بس پھر تو بات ختم۔

متن:

بد در مخلوق بودن عمر ضائع کردن است
خاک اَن درشوکہ آب بند گاتش روشن است

" مخلوق کے دروازے پر ہونا اپنی عمر ضائع کرنا ہے، اُس دروازے کی خاک بن جا کہ اُس کے غلاموں کی عزت روشن عیاں اور نمایاں ہے"۔

پس حضرت شیخ صاحب کا طریقہ اویسی تھا اور اُس کو نبی کریم ﷺ کا نور مبارک تربیت دے رہا تھا، اور اُس کو سارے درجات عالیہ اللہ تعالیٰ کے فضل

اور عنایت سے حاصل ہو گئے تھے اور جو محبت سعادت وغیرہ اُن کو حاصل تھی، یہ سب کچھ اُس کا فیض تھا اور یہ قسمت ازلی تھی، اور ان کا مریدوں اور احباب قسمت کے ساتھ رابطہ باطنی توجہات کے ذریعے ہوتا تھا۔ فضل ایزدی سے صاحبِ نظر تھے۔ بہت عرصے تک ارادت یعنی مرید بنانے کا سلسلہ خفیہ رکھا تھا اور اس کو ظاہر نہیں فرماتے تھے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کی مرضی اور ارادے سے اس مُشک کی خوشبو اور اس عطر کی لپٹیں نسیمِ صبح کی طرح اللہ تعالیٰ کے لطف اور فضل و کرم کے گلزار سے ظاہر و عیاں ہو گئیں تو کافی عرصے تک جو کوئی بھی حضرت شیخ صاحبؒ کی زیارت اور ملاقات کو آتا تھا، اُن کو کھانا وغیرہ نہیں کھلاتے، تاکہ یہ لوگ منع ہو جائیں، اور کھانا وغیرہ نہ ملنے کی وجہ سے زیارت کو نہ آئیں۔ مگر زائرین اپنے ساتھ خود کھانے کا سامان لاتے اور مقامی دیہاتی لوگ ان کے لئے وہ کھانا پکالیتے تھے۔ اس کے بعد حضرت صاحب نے اُن لوگوں کو حکم کیا جو حضرت کے پڑوس میں تھے، اور جو نزدیک قرب و جوار میں رہتے تھے کہ زائرین کے لیے اُن کے لائے ہوئے سامانِ خوراک سے کھانا پکا کر نہ دیں، تاکہ لوگوں کی کثرت اور ہجوم نہ ہو، مگر زائرین اس پر بھی کم نہ ہوئے، بلکہ زائرین اشیائے خوراک کے ساتھ پکانے کا سامان دیگ وغیرہ بھی لانے لگے اور اپنے ساتھ لایا ہوا سامان خود پکاتے۔ اس پر حضرت صاحب نے حکم فرمایا کہ ان کے دیگ وغیرہ توڑ دیئے جائیں۔ مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ لوگ آتے رہے اور بھوکے رہتے اور آنے سے نہ منع ہوئے اور نہ کم ہوئے۔ لوگ تسلسل سے متواتر آتے رہتے۔ جب اس حالت میں کچھ عرصہ گزر گیا۔ تو حضرت شیخ صاحب نے فرمایا کہ میری تو خواہش تھی کہ اپنے آپ سے لوگوں کا ہجوم باز رکھوں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو میرے پیچھے لگا رکھا ہے۔ اب نجات کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا اور اس کا کوئی مداوا نہیں۔اس کے بعد ان زائرین کی خدمت کی اجازت دے دی اور خود بھی گاہے بگاہے کچھ کھانے کی چیزیں عنایت

فرمادیتے۔ حضرت صاحب کے بعض مخلص مریدوں کی ایسی حالت ہوگئی تھی کہ اُن کو کھانا کھانے کی بھی حاجت نہیں تھی، اور بعض بہت کھانا کھاتے اور کبھی بالکل نہیں کھاتے تھے۔

تشریح: غالباً بہت کم حضرات کے ہاں یہ چیز ملے گی بہت زیادہ کھانا اور پھر اس کے بعد نہ کھانا۔

متن: ہر حال میں کھانے اور نہ کھانے کی شکل میں اپنے نفس کی مخالفت کرتے اور حضرت شیخ صاحب جب کبھی بزرگوں کی تعریف فرماتے تو اپنے والد محترم حضرت شیخ بہادر صاحب کی بہت تعریف فرماتے اور اُن کی قبر کی زیارت کو اکثر تشریف لے جاتے اور مزار پر حاضری دیتے۔ میں نے ان کی زبانی تو کوئی بات نہیں سُنی لیکن جب حضرت اپنے والد صاحب کا بہت زیادہ ادب کرتے اور تعریف فرماتے۔ نیز اُن کے مزار پر کثرت سے حاضری دینے کی وجہ سے میرا دل گواہی دیتا ہے کہ طریقہ سہروردی میں اپنے والد صاحب کے ساتھ بھی نسبت رکھتے تھے۔

تشریح: حضرت حلیم گل بابا رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اندازاً فرمایا کہ حضرت نے اس کے بارے میں کوئی ذکر تو نہیں فرمایا لیکن عمل سے ظاہر ہو گیا۔

متن: اُن کے واضح قول و بیان سے اُن کا طریقہ اویسی معلوم ہوتا ہے۔ اور حضرت شیخ صاحبؒ یہ طریقہ اویسی ہر کسی کو بیان یا ظاہر نہ فرماتے اور اس کے بارے میں کچھ نہ فرماتے۔

تشریح: اصل میں، میں آپ کو ایک بات بتاؤں۔ لوگ گڑ بڑ کر جاتے ہیں۔ بہت جلد دھوکے میں آجاتے ہیں۔ سلسلہ اویسیہ نہیں ہے۔ نسبت اویسیہ پہلے سے چلی آرہی ہے۔ سمجھ میں آئی بات؟ طریقہ اویسیہ نہیں ہے، سلسلہ اویسیہ نہیں ہے لیکن نسبت اویسیہ چلی آرہی ہے۔ یہ حضرت کے وقت سے نہیں بلکہ بہت پہلے سے اویسی نسبت چلی آرہی ہے۔ یہی بنیادی فرق ہے جس

کو نہ جاننے کی وجہ سے لوگ دھوکے میں آ جاتے ہیں۔ سلسلہ اویسیہ کس کو کہتے ہیں؟ سلسلہ اویسیہ اس کو کہتے ہیں کہ اویسی سلسلے کا ایک بزرگ ہے یعنی جس کو اویسی نسبت حاصل ہے وہ اس نسبت کو آگے منتقل کر دے۔ پھر یہ سلسلہ بن جائے گا۔ اویسی نسبت کو سلسلے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ وہ تو سارا کچھ براہ راست ہوتا ہے۔ یعنی ایک ہوتا ہے Conductionاور ایک ہوتا ہے Radiation۔ Conduction جو ہے وہ کیا ہے؟ یہ Point to point ہوتا ہے اور Radiation براہ راست ہے۔ مجھے بتاؤ جب Radiation ہو سکتی ہے کسی کیلئے تو پھر Conduction کی کیا ضرورت ہے؟ آپ ﷺ کے نورِ مبارک سے کوئی استفادہ کر سکتا ہے تو اس کے لئے سلسلے کی کیا ضرورت ہے؟ براہ راست آپ ﷺ سے استفادہ کرلیتا ہے۔ تو اگر ایک کے لئے ہو سکتا ہے تو دوسرے کے لئے بھی اسی طرح ہو سکتا ہے۔ دوسرا بھی اس طرح کر سکتا ہے۔ کسی اور کو بھی اگر اویسی نسبت حاصل ہو تووہ بھی یہی کرے گا۔تو سلسلہ بنانے کی کوئی ضرورت نہیں ہو گی۔ اویسی نسبت موجود ہے لیکن اویسی سلسلہ نہیں ہے یہ بنیادی بات ہے۔اویسی نسبت یہ بالکل آپ اس طرح سمجھیں کہ احادیث شریف موجود ہیں اور اُن کے سلسلے بھی موجود ہیں یعنی فلاں نے فلاں سے سُنا اُس نے فلاں سے یہ حدیث سُنی تھی اور اس طرح آپ ﷺ تک بات پہنچتی ہے۔ اس کو حدیث کی سند کہتے ہیں۔ اسی طرح آپ ﷺ کا خواب میں تشریف لانا یہ بھی حقیقت ہے اور اس کی باقاعدہ سند بھی دی گئی ہے کہ اگر کوئی آپ ﷺ کو خواب میں دیکھے تو وہ آپ ﷺ ہی ہوتے ہیں۔ شیطان آپ ﷺ کی شکل میں نہیں آ سکتا۔ جب یہ بات ہے تو خواب تو قطعی ہے کہ آپ ﷺ ہیں لیکن آپ ﷺ نے جو قول خواب میں فرمایا کیا اس کو ہم حدیث کہہ سکتے ہیں؟ اس کو ہم حدیث نہیں کہہ سکتے۔حدیث کے لئے لازمی ہے کہ وہ باقاعدہ راوی سے راوی تک منتقل ہو چکاہو۔ درمیان میں اگر کوئی راوی مجہول ہو جائے تو اس سے یہ حدیث ضعیف ہو جائے گی

یا کوئی اور مسئلہ ہو جائے گا وہ حدیث قابل عمل نہیں رہے گی۔ اس طرح خواب میں جو چیز ہے بے شک آپ کو یقین ہو کہ یہ آپ ﷺ ہی نے فرمایا لیکن اس کو حدیث نہیں کہہ سکتے اس پر کوئی فقہ کا حکم ثابت نہیں ہو گا۔ البتہ وہ فضائل میں استعمال ہو سکتی ہے۔ جس طرح ضعیف احادیث فضائل میں استعمال ہوتی ہیں اسی طرح یہ بھی فضائل میں استعمال ہو سکتی ہیں۔ لیکن فقہ میں استعمال نہیں ہو سکتیں۔ فقہ میں کشف کا حصہ نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نظام کو شفافیت کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ اگر یہ سلسلہ خوابوں پہ چلے یا کشف پہ چلے تو اس میں شفافیت نہیں رہے گی۔ تو جو چیزیں فقہ کے ذریعے سے ثابت ہوں یا سنداً ثابت ہوں اس کے اندر قوت فقہی دلائل یا سند کی صحت سے آتی ہے۔

کشف القبور جن کو حاصل ہو اوروہ صاحبِ نسبت بھی ہو وہ کسبِ فیض کر سکتے ہیں۔ اس سے ان کی نسبت قوی ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر صاحب نسبت ہی نہیں تو حاصل نہیں کر سکتے۔ اس لئے پہلے نسبت حاصل کرنی ہوتی ہے۔ پھر اس کے بعد وہ چیز حاصل ہو سکتی ہے۔ نسبت اگر حاصل نہ ہو تو وہ قبور سے استفادہ نہیں کر سکتا۔ یہ بنیادی بات ہے جس کو عوام نہیں سمجھتے۔ اب عوام بھی آجائیں گے اور طواف کرنا شروع کر دیں گے اور سمجھیں گے ہم نے طواف کر لیا۔ بھائی عوام کیلئے یہ چیز نہیں ہے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب کے ساتھ تھا۔ دو طالب علم بھی ساتھ تھے۔ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے صاحبِ کشف تھے اور صاحبِ نسبت بھی تھے تو حضرت ایک قبر پر مراقب ہو گئے۔ تو وہ دو طالب علم بھی مراقب ہو گئے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں میں نے دونوں کو ایک ایک لگائی کہ وہ آگے والی آنکھ تو تمہاری بند ہے تو یہ آنکھ کیوں بند کر دی؟ یعنی نسبت تو حاصل نہیں ہے کہ فیض حاصل کر سکو تو خواہ مخواہ آنکھیں کیوں بند کرتے ہو ؟ یہ دکھانے کیلئے کہ میں بھی کچھ حاصل کر رہا ہوں؟ تو

حضرت نے اس بات کا اظہار فرمایا کہ تیرے لئے نہیں ہے۔
حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت کیا یارسول اللہ کہنے کی اجازت ہے؟ فرمایا کس کے لئے؟ اُس نے کہا میرے لئے۔ فرمایا نہیں۔ اُس نے پوچھا حضرت آپ کے لئے؟ حضرت نے فرمایا کہ ہاں میرے لئے اجازت ہے۔ وہ حیران ہوا اور پوچھا آپ کے لئے اجازت ہے میرے لئے کیوں نہیں؟ فرمایا تم تصور میں آپ ﷺ کو یہاں لاتے ہو اور میں تصور میں وہاں پہنچ جاتا ہوں، لہٰذا میرے لئے جائز ہے لیکن تمہارے لئے نہیں۔ تو جو صاحبِ نسبت ہوتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ وہاں پہنچا دیتے ہیں جہاں پہنچانا ہوتا ہے۔ یہی بنیادی بات ہے جن کو لوگ نہیں سمجھتےاور اویسی سلسلہ چل رہاہے۔ بھائی اویسی سلسلہ ہے ہی نہیں۔ جیسے خواب قابلِ بحث نہیں ہے فقہ میں اسی طرح اویسی سلسلہ بھی زیر بحث نہیں ہے طریقت میں۔ البتہ اویسی نسبت ہے اور جس کو حاصل ہے وہ اس کا اظہار بھی نہیں کرتا۔ کیا حضرت کاکا صاحبؒ نے کبھی ظاہر کی ہے کہ میری نسبت اویسی ہے؟ کیونکہ راز ہوتا ہے اور اس راز کو ظاہر نہیں کیا جاتا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا وہ دوست دوستی کے قابل نہیں ہے جو دوست کا راز نہ رکھتا ہو۔ تو جو اویسی نسبت ہوتی ہے وہ ظاہر کرنے کے لئے نہیں ہوتی وہ تو عاشق و معشوق کے درمیان ایک ایسا رمز ہوتا ہے جس کا کراماً کاتبین کو بھی پتہ نہیں ہوتا۔ تو یہ والی بات ہے کہ اگر کوئی اللہ والا ہے اور اسکا اویسی تعلق ہے تو وہ لیتا رہے گا لیکن بتائے گا نہیں۔ جس نے اپنے آپ کو اویسی سلسلہ کا کہہ دیا اس نے سب کچھ ضائع کر دیا کیونکہ جو نہیں بیان کرنا تھا وہ بھی بیان کر دیا اور جو غیر واقعی تھا وہ بھی ساتھ شامل کر دیا۔اس کا مطلب ہے کہ کچھ بھی نہیں۔
ہمارے شیخ حضرت مولانا اشرف صاحبؒ فرمایا کرتے تھے خواہ مخواہ پگنڈ بنایا ہوا ہے۔ حضرت ایسے لوگوں کا ڈٹ کے مقابلہ کرتے تھے، ڈٹ کے مخالفت کرتے تھے۔ یہ فتنہ ان دنوں نیا نیا آیا تھا۔ حضرت کو جب پتہ چلا تو حضرت

نے سختی کے ساتھ اس کی رد فرمائی۔ وہ جو کہتے ہیں کہ آپ ﷺ سے براہ راست بیعت کرواتے ہیں اور یہ تمام چیزیں ان دنوں شروع ہوئی تھی تو حضرت نے سختی سے فرمایا یہ کیا پگنڈ بنایا ہوا ہے۔

اویسی نسبت کے بارے میں کچھ مزید تفصیل:

اویسی نسبت حق ہے لیکن مقصود نہیں ہے۔ مقصود صرف اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا بندہ بنانا ہے اور اس کی ماننا ہے جس کو عبدیت کہتے ہیں۔ اس لئے کاکا صاحبؒ نے جو حضرت حلیم گل باباؒ کے استفسار پر فرمایا تھا کہ شیخی کو میں نے شیخوں یعنی مشائخ کے لیے چھوڑ دیا، پیری کو پیروں کے واگذار کر دیا، سلوک سالکوں کو بخش دیا، تصوف صوفیوں کے لیے چھوڑ دیا، میں تو یہ چاہتا ہوں اور میری حالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بندگی کی جو زنجیر میرے گلے میں ڈال دی ہے، میں چاہتا ہوں کہ یہ زنجیر میری گردن میں پڑی رہے اور میرے گردن سے جدا نہ ہو۔اللہ تعالی نے قرآن پاک میں نفس مطمئنہ سے ارشاد فرمایا يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي اس سے پتا چلا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے یہی چاہتے ہیں۔ یہی نسبت الی اللہ ہے اور مقصود ہے اور چونکہ مقصود ہے اس لئے اس کے ذرائع بھی اللہ تعالیٰ نے عام فرمائے ہیں اور ان ذرائع کو استعمال کرکے کوئی بھی اس کو حاصل کرسکتا ہے۔ جبکہ نسبت اویسی مقصود نہیں ہے۔ یہ غیر اختیاری ہے اور محمود ہے اور اگر اللہ پاک کسی کو دے تو بغیر واسطوں کے دیں گے کیونکہ اس میں واسطہ ہوتا ہی نہیں۔ اسی لئے یہ نسبت اویسی ہے۔ جب اس میں واسطہ نہیں ہے تو اس کے ذرائع بھی نہیں ہیں اور جب ذرائع نہیں ہیں تو اس کی کوشش بھی نہیں کرنی چاہیے۔اس صورت میں اگر کوئی اس کو حاصل کرنے کوشش کرے گا تو اس کے ہاتھ کچھ بھی نہیں آئے گا کیونکہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے نہیں بنائے۔ یہ تو

اللہ پاک کی طرف سے ودیعت ہوتی ہے۔

ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ چونکہ یہ مقصود نہیں تو اس کی اگر کوئی کوشش کرے گا اور اس میں اس سے غلطی ہوگئی تو اس غلطی کا وہ خود ذمہ دار ہوگا اور اس میں غلطی کا امکان بھی بہت ہے۔ وجہ یہ ہے کہ خواب اور کشف دونوں رستے شیطان سے محفوظ نہیں اور اس سے بچنے کے لئے کسی شیخ کامل کی ضرورت ہوگی۔ شیخ کامل کی نگرانی ہوگی تو اویسی نہیں رہے گا اس لئے ہر صورت میں ہمیں چاہئیے کہ اپنے مقصود یعنی اپنی اصلاح کی حصول میں لگے رہیں۔

اویسی فیض کی اس نزاکت کو اچھی طرح سمجھنا چاہئے کیونکہ بعض لوگوں نے تو اس کو خوش طبعی کا میدان سمجھا ہے اور اویسی سلسلہ تک بنادیا حالانکہ جیسا کہ کہا گیا اویسی نسبت تو حق ہے لیکن اویسی نسبت اور چیز ہے اور اویسی سلسلہ اور۔اویسی سلسلہ میں تسلسل لازمی ہے اور بقول مولانا اشرف ؒ اویسی نسبت اُس صاحب نسبت پر رُک جاتی ہے وہ متعدی نہیں ہوتی۔ کاکا صاحبؒ کے احوال میں چونکہ اویسی فیض کا سوال بار بار ذہنوں میں اٹھتا ہے اس لئے اتنا کچھ سمجھانا ضروری تھا۔ اس پر ہی اکتفا کیا جائے کیونکہ اس کی تفصیلات میں جانے سے حضرت حلیم گل باباؒ نے بھی منع فرمایا ہے۔

متن: حضرت شیخ صاحبؒ یہ طریقہ اویسی ہر کسی کو بیان یا ظاہر نہ فرماتے، اور اس کے بارے میں کچھ نہ فرماتے ، اس کی علت غائی یہ ہے، کہ یہ اسرار میں سے ہے۔ اور اسرار کا چھپانا بہت اچھی بات ہے۔ایک بار حضرت صاحب اپنے والد محترم کے مزار کو بہت سے لوگوں سمیت تشریف لے جا رہے تھے۔ حضرت صاحب کے والد محترم حضرت شیخ بہادر صاحب قطب عالم کے مرتبے پر فائز تھے۔ حضرت شیخ صاحب نے اپنے ساتھیوں کو فرمایا کہ ہر شخص راستے پر چلتے ہوئے یہ دعا کرے کہ اللہ تو اُس کو سربلندی

فرما، یعنی درجات بلند فرما، کیونکہ آپ کی سر بلندی اور بلندی درجات ہماری سربلندی ہے اور جب مذکورہ مزار شریف کے قریب پہنچ گئے، تو تمام لوگوں کو ایک وادی میں روکے رکھا، اور ہر شخص کو ایک بلند مقام پر تعینات فرمایا کہ جس کسی پر نظر پڑے، کہ وہ اس طرف آرہا ہے اُس کو آنے سے منع کیا جائے اور اُن کو کہا جائے کہ یہاں سے واپس چلا جائے۔ تھوڑی دیر بعد اُس تمام مجمع اور گروہ کو جس کو منع کیا گیا تھا، طلب فرمایا اور حضرت شیخ بہادر صاحب کے مزار اقدس پر تشریف لے گئے۔ لوگوں نے ایک ایسے شخص سے جو کہ بلندی پر تعینات کیا گیا تھا اُن حالات اور حقیقت کے بارے میں پوچھا۔ اُس نے بیان کیا کہ حضرت صاحب ننگے سر مذکورہ قبر کے پائنتی کھڑے تھے اور یہ بات حکمت سے خالی نہ تھی کہ اس سے قبل یا بعد آپ کو اس طرح کرتے نہیں دیکھا گیا۔ بہر حال جب آپ اپنے والد محترم قطب عالم شیخ بہادر صاحب کا اسم گرامی یاد فرماتے، تو نہایت ادب و احترام سے یاد فرماتے، اور اُن کو (ریشتنے) راست گو کے نام سے یاد فرماتے۔

پس اے میرے پیارے یہ بات جان لے کہ اولیاء اللہ تین نوع کے ہوتے ہیں۔ بعض کی تو ولایت ہوتی ہے اور سرایت نہیں ہوتی کہ دوسروں پر اثر کرے اور بعض کی ولایت اور دوسروں پر اثراندازی کی خاصیت ہوتی ہے لیکن اثر کا یہ نفوز اُن کے حین حیات میں ہوتا ہے۔ اُن کی وفات کے بعد یہ تاثر منقطع ہو جاتا ہے اور ایسے ولی کو کامل کہتے ہیں۔اور بعض ولایت بھی رکھتے ہیں اور سرایت و اثر اندازی کی اہلیت بھی رکھتے ہیں۔ زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی ان کی تاثیر جاری رہتی ہے اور ان کے اثر کا یہ نفوذ غیر منقطع ہوتا ہے۔ ان کو مکمل کہتے ہیں اور گزشتہ زمانے میں یہ مرتبہ بایزید بسطامی کو حاصل تھا اور ان کے یعنی ہمارے حضرت شیخ صاحب کے دورانِ حیات میں بہت سارے لوگوں نے اُس کے جام و ساغر سے شرابِ محبت نوش کی تھی اور اُس کی معرفت کے درخت کا میوہ کھایا تھا۔ اس کے علاوہ تین ہزار

تین سو تین غلاموں کو آزاد کر کے حضرت صاحب نے کمال جمال بے مثال تک پہنچایا تھا اور جو لوگ حضرت شیخ صاحب کے ہاتھوں فیض یاب ہو گئے تھے اُن میں سے اکثر بنگش، کُرم، ٹل اور مروت کے علاقوں میں سکونت پذیر ہیں یا وہاں دفن ہو چکے ہیں۔ اُن میں سے بعض کی شہرت ہو چکی ہے اور اُن کے مزارات معروف و مشہور ہیں، اور بعض ابھی تک مخفی اور مستور ہیں اور جو فیض اُن کو حاصل ہوا ہے تو بعض کو نگاہ کی تاثیر سے حاصل ہے، بعض کو مجلس کے اثر سے اور بعض کو نیند کی حالت میں اور بعض کو کم کھانے اور فاقہ کشی کے ذریعے حاصل ہے اور بعض مخلصوں کو غیبی شکل میں اگرچہ وہ دور دراز کے علاقوں مثلاً ہندوستان وغیرہ میں ہوتے تو حضرت شیخ صاحب کے باطنی توجہ سے اُن کو فیض پہنچتا اور وہ اُس فیض سے مستفید ہو جاتے اور اُن کو فائدہ پہنچتا اور اُن کی وفات کے بعد بھی بہت سے لوگوں نے اُن سے فیض حاصل کیا ہے اور فیض پا رہے ہیں۔ بعض کو خواب میں، بعض کو مزار کی حاضری کے وقت اور بعض نیند میں بھی اور حضور میں بھی فیض حاصل کرتے رہے ہیں، اور اس مناقب کی کتاب کا جمع کرنے والا فقیر (شیخ عبدالحلیم صاحب) کو بھی روضہ مبارک سے فیض حاصل ہوا ہے، اور اکثر اوقات مزار اقدس پر حاضری کے وقت انواع و اقسام کے فیوضات حاصل ہوئے ہیں، اور جو کچھ کہ دیکھا ہے، میرے دل نے دیکھا ہے اور جو کچھ سنا ہے وہ میرے کانوں نے سنا ہے اور اُس کا لطف وہ جانتے ہیں۔ یہ اشارہ اس کے بیان کے لیے کافی ہے۔ اس سلسلے میں زیادہ باتیں کرنا بھی خلاف ادب ہے۔ اسی وجہ سے میں نے مختصر طور پر اپنا حال بیان کیا۔ اور اس مقولے پر ختم کرتا ہوں "خیر الکلام ما قل و دل" یعنی بہتر بات وہ ہے جو مختصر ہو، اور مدلل ہو۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ حضرت کا انداز بڑا عجیب تھا۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کا ایک نظام باقاعدہ ہوتا ہے جو عموماً چلتا ہے اور ایک اللہ تعالیٰ کا ایسا

نظام ہوتا ہے جو خاص حالات کو ظاہر کرنے کیلئے ہوتا ہے تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس عمومی نظام کے علاوہ کچھ ہو نہیں سکتا۔ ایسے لوگ کم ہی ظاہر ہوتے ہیں لیکن ظاہر ہو جاتے ہیں اور وہ نظام بھی ان کے ذریعے سے ظاہر کروا لیا جاتا ہے۔ حضرت کاکا صاحبؒ اور کچھ دوسرے حضرات اسی قبیل سے ہیں جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے بعض چیزوں سے پردہ اٹھایا ہے۔ اب ہم لوگوں کو حضرت سے جو لینا ہے وہ کیا ہے؟ وہ عبدیت ہے۔ جو حضرت کا خاص صفتِ ممتاز تھا اور شریعت پر حتی الوسع عمل کرنا ہے۔ باقی تو یہ ہر ایک کی قسمت ہے جس طریقے سے بھی اس کو نوازا جائے اس کو باقاعدہ طریقے سے نوازا جائے یا بے قاعدہ طریقے سے اس کو اس سے کیا کام؟ یہی عبدیت ہے۔ جس طریقے سے بھی نوازا جائے۔ جیسے مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے طریقے کو طریقِ نا مسلوک قرار دیا۔ یعنی عام طریقہ نہیں کہا۔ تو اس طرح بعض طریقے نا مسلوک بھی ہوتے ہیں جو خاص خاص لوگوں پر ظاہر کئے جاتے اور ان بزرگوں کے درمیان ماشاء اللہ بہت اچھا تعلق بھی رہا ہے۔ اس وجہ سے ماشاء اللہ چیز ایک ہی ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ حقیقتِ جذب و سلوک لکھنے کے بعد فوراً حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کی تعلیم کی توفیق ہوئی۔ اس سے بھی اس کا پتا چلتا ہے کہ ربط موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سارے بزرگوں کی جملہ برکات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

معیار انسانیت اور اس کے حصول کا طریقہ

(حصہ دوم) گزشتہ سے پیوستہ

مال کمانے کی نیت و مصارف

یہی مال جو ہے بڑے کام کی چیز ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے "نِعْمَ المالُ الصَّالحُ لِلرَّجلِ الصَّالحِ" اچھا مال جو ہے وہ تو صالح آدمی کے لئے ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اپنے مال کمانے میں جو نیت ہے اس میں یہ بات ہو کہ میں حلال روزی کما رہا ہوں اپنے لئے، اپنے بچوں کے لئے، جو مجھ پر dependent ہیں ان کی خدمت کے لئے، اپنے پڑوسیوں کے لئے، غرباء اور مساکین کے لئے۔ اگر یہ نیت ہو تو سبحان اللہ یہ کمانا آپ کا دین بن جائے گا۔ جب یہ والی بات ہے تو دنیا کمانے سے منع نہیں کیا گیا ہے ہاں دنیا کی محبت سے منع کیا گیا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے عین ممکن ہے کہ دنیا کی محبت غریب آدمی کے دل میں ہو اور بہت بڑے مالدار آدمی کے دل میں دنیا کی محبت نہ ہو۔ یہ عین ممکن ہے۔

حضرت عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ اور ایک فقیر کا واقعہ

حضرت عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ گزرے ہیں ان کے پاس ایک فقیر بیعت ہونے کے لئے گیا تو ان کی بڑی شان و شوکت دیکھی کہ بہت انتظام تھے۔ حضرت کے خیموں کی قناطیں بھی سونے کی تھیں تو اس نے سوچا کہ یہ تو بہت دنیادار آدمی ہے ان سے میں کیوں بیعت ہو جاؤں؟ تو واپس ہو گئے اور جاتے جاتے اس نے اپنے ساتھ ایک شعر کہا کہ

نہ مرد است آں کہ دنیا دوست دارد

ترجمہ: " وہ مرد نہیں ہے جو دنیا کو دوست رکھتا ہے" اور چلا گیا۔ چلتے چلتے تھک گیا۔ ٹیک لگایا تو نیند آ گئی تو خواب میں قیامت کا منظر دیکھا اور وہاں

پر صورتحال یہ ہے کہ اس کا حساب ہو گیا تو اس کی کچھ نیکیاں کم ہو گئیں۔ اس سے فرمایا گیا کہ جاؤ کہیں سے نیکیاں مل جائیں تو لے آؤ ورنہ پھر جہنم کے لئے تیار ہو جاؤ۔اب یہ جس سے بھی نیکی مانگتا ہے وہ کہتا ہے مجھے خود ضرورت ہے۔ قیامت میں تو یہ بات ہو گی۔ اب یہ پریشان ہے کہ میں کیا کروں؟ تو راستے میں کھڑے ہیں۔حضرت عبداللہ احرارؒ اپنے مریدوں کے لاؤ لشکر کے ساتھ بڑے مزے سے جنت جارہے ہیں۔اس نے کہا کہ چلو مجھے جانتا تو ہو گا ، راستے میں کھڑا ہو جاتا ہوں ہو سکتا ہے بات ہو جائے۔حضرت نے جب اس کو دیکھا تو پوچھا کہ بھائی تو کیوں کھڑا ہے؟ اس نے کہا حضرت یہ مسئلہ ہے۔ حضرت نے فرمایا اچھا بھائی میری نیکیوں سے جتنی تیری ضرورت ہے وہ لے جاؤ۔ اب یہ دیکھا تو اس کے بعد خواب سے بیدار ہو گیا۔ سمجھ گیا کہ اوہو یہ تو مجھے تنبیہ ہو گئی۔ میں نے غلطی کی۔ تو واپس آ گیا۔اب واپس چلے گئے دوبارہ حضرت عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کے پاس۔حضرت بیٹھے ہیں اپنے مریدوں کے ساتھ۔اس نے سلام کیا۔حضرت نے پوچھا بھائی کس لئے آئے ہو؟ کہا جی بیعت ہونے کے لئے آیا ہوں۔ حضرت نے فرمایا اچھا پہلے وہ شعر سناؤ جو تو جاتے وقت کہہ گیا تھا۔اب یہ شرمندہ ہو گیا کہ میں کیسے شعر سناؤں؟ اس نے کہا حضرت وہ جہالت کی باتیں ہیں ، وہ چھوڑ دیں۔ حضرت نے فرمایا نہیں بغیر سنائے آپ کو بیعت نہیں کروں گا آپ کو سنانا پڑے گا۔ تو اُس نے مجبوراً کہہ دیا کہ

نہ مرد است آں کہ دنیا دوست دارد

حضرت نے فرمایا کہ اگلا مصرعہ بھی سناؤ۔ اس نے کہا وہ تو مجھے نہیں آتا۔ حضرت نے فرمایا کہ اگلا مصرعہ ہے

اگر دارد برائے دوست دارد

اگر رکھتا ہے تو دوست کے لئے رکھتا ہے اپنے لئے نہیں رکھتا

دل کی حالت کو درست کرنا

بس یہی بات ہے کہ اگر ہمارے دل کی گہرائیوں میں یہ بات اتر جائے تو نہ آدمی مال سے خراب ہو سکتا ہے نہ جاہ سے خراب ہو سکتا ہے۔ یوسف علیہ السلام وزیر تھے، داؤد علیہ السلام بادشاہ تھے، سلیمان علیہ السلام بادشاہ تھے تو کیا ان کی پیغمبری ختم ہو گئی؟ اور عیسیٰ علیہ السلام فقیر تھے، موسیٰ علیہ السلام بھی فقیر تھے۔ نہ ان کی غربت نے پیغمبری ختم کی، نہ ان کی امارت نے پیغمبری ختم کی۔ اصل میں یہ دل کا معاملہ ہے اللہ تعالیٰ تو دلوں کو دیکھتا ہے۔ تو اب اپنے دلوں کو درست کرلو تو معاملہ ٹھیک ہو جائے گا۔ یہ دل کیسے درست ہو گا ؟اس کے لئے ایک محنت ہے۔

شیطان کا دوسرا ہتھیار ہمارا نفس ہے

دوسری بات کہ ہم شیطان کے داؤ کو بے کار کر دیں۔ اُس کو غیر مصلح کر دے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ شیطان کا ہتھیار ہمارا نفس ہے۔ وہ ہمارے نفس کے ذریعہ سے وار کرتا ہے۔ جس کو پیسے کے ساتھ محبت نہ ہو کیا شیطان اس کو وسوسہ ڈال سکتا ہے کہ دودھ میں پانی ڈالو تو تیرا مال بڑھ جائے گا ؟ جس کو مال کے ساتھ محبت نہ ہو تو اُس کے لیے شیطان کا وسوسہ بے کار ہو گیا۔ اس کے ساتھ شیطان کچھ نہیں کر سکتا۔ اس طرح کسی کو بڑا بننے کی خواہش نہ ہو بلکہ وہ عاجزی کرتا ہو اور اپنے آپ کو کم سمجھتا ہو اسی میں اپنا خیر سمجھتا ہو ،کیا شیطان اس کو یہ کہہ سکتا ہے او ہو فلاں آدمی تجھ سے اوپر جا رہا ہے اُس کو گرا دو ؟ شیطان اس طرح نہیں کر سکتا۔ کرے گا تو کچھ بھی فائدہ نہیں ہو گا کیونکہ یہ تو بڑا بننا ہی نہیں چاہتا۔

ایک دفعہ ایک بینک منیجر نے مجھے فون کیا۔ یہ بالکل سچا واقعہ ہے میرے ساتھ ہوا ہے۔ ایک بینک منیجر نے مجھے فون کیا شبیر صاحب آپ کے پاس گاڑی نہیں ہے ہم آپ کے لئے گاڑی arrange کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے

کہا مجھے گاڑی کی ضرورت ہی نہیں ہے۔اُس نے کہا آپ گریڈ 20 افسر ہیں آپ کو گاڑی کی ضرورت نہیں ہے کیا مطلب؟ میں نے کہا مجھے ضرورت ہی نہیں ہے۔ تو کہتے ہیں پھر آپ کیا کرتے ہیں؟ میں نے کہا جب ضرورت ہوتی ہے ٹیکسی پہ چلا جاتا ہوں۔ اُس نے کہا نہیں نہیں آپ کے پاس گاڑی ہونی چاہیئے۔ میں نے کہا بھائی میرے پاس گاڑی کھڑی کرنے کی جگہ نہیں ہے۔ اُس نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کے پاس گاڑی کھڑی کرنے کی جگہ نہ ہو۔ میں نے کہا سچ کہہ رہا ہوں ،میں جس مکان میں رہتا ہوں وہاں مالک مکان کی گاڑی پورچ میں کھڑی ہے تو دوسری گاڑی اس میں کھڑی نہیں ہو سکتی۔ میں گاڑی لوں گا تو کہاں کھڑی کروں گا ؟خیر وہ مجھے convince کرنا چاہتا تھا کہ میں گاڑی لے لوں۔ اصل میں وہ مجھے اس بات کے لئے تیار کررہا تھا کہ میں اُس سے قرضہ لے لوں اور پھر اُس کو سود دیتا رہوں۔ سمجھ میں آگئی بات۔سود دینے کے لئے تیار ہو جاؤں۔ مجھے گاڑی کی ضرورت نہیں تھی تو کیا اس کی نصیحت نے کچھ کام کیا؟ بس بات ختم ہو گئی۔ میں نے ٹیلی فون بند کر دیا۔ تو مقصد یہ ہے کہ اگر آپ نفس کی تربیت کروا دیں اور حرام چیز کے لئے آپ تیار نہ ہوں تو شیطان آپ کے ساتھ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔کرے گا بھی تو کیا کرے گا؟

انسانی جسم کے تین نظام

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر بہت کام کیا ہے۔ حضرت نے اپنی کتاب" الطاف القدس عن معرفتِ النفس" میں فرمایا ہے کہ ا نسان کے جسم میں تین نظام ہیں ان تین نظاموں کے اندر اعتدال ہو گا اور یہ آپس میں باہم مربوط ہوں گے تو پھر تو انسان ٹھیک ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر انسان ٹھیک نہیں ہے۔ اس کے سارے کام خراب ہوں گے۔ ایک نفس ہے، ایک دل ہے اور ایک عقل ہے۔ نفس کی تین قسمیں ہیں نفس امارہ، نفس لوامہ، نفس مطمئنہ۔نفس امارہ کے ساتھ انسان پیدا ہوتا ہے،

نفس مطمئنہ Required ہے یہ چاہیئے اور نفس امارہ سے نفس مطمئنہ تک کے سفر میں درمیان میں نفس لوامہ آتا ہے کہ انسان سے بُرائی ہو جاتی ہے۔ لیکن اس بُرائی پر وہ شرمندہ ہوتا ہے۔ یہ بھی نفس امارہ سے اچھا نفس ہے۔ اس طرح قلب کی بھی دو قسمیں ہیں قلبِ سلیم اور قلبِ سقیم۔ اس طرح عقل کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک عقل جس کو ہم عقلِ ایمانی کہتے ہیں یعنی ایمان سے اثر لینے والا عقل اور ایک عقلِ نفسانی یعنی نفس سے اثر لینے والا عقل۔ یہ ڈاکو لوگ جو ہوتے ہیں کیا یہ عقل استعمال نہیں کرتے؟ لیکن کس لئے کرتے ہیں؟ ڈاکہ ڈالنے کے لیئے۔ کرپشن والے بھی عقل استعمال کرتے ہیں لیکن کس لئے کرتے ہیں؟ کرپشن کے لئے۔ تو اسی طریقے سے عقل سب استعمال کرتے ہیں لیکن آیا وہ اپنے نفس کے لئے استعمال کرتے ہیں یا ایمان کے تقاضے کے مطابق استعمال کرتے ہیں؟ فقہائے کرام جو تھے وہ ایمان کے تقاضوں کے مطابق عقل استعمال کرتے تھے۔ ایمان جس طرح چاہتا تھا اس طریقے سے وہ اپنا عقل استعمال کرتے تھے۔ یہ حضرات اتنے عقلمند تھے یہ امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ۔ امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ اتنے ذہین ہیں کہ اگر یہ چاہیں تو یہ ستون جو آپ کے سامنے ہے اس کو سونے کا ثابت کر دیں۔ یعنی اتنے زیادہ ذہین ہیں کہ logic کے ذریعے سے آپ کے سامنے کوئی چیز ہو گی اُس کو دلائل کے ذریعے حقیقت کے بالکل الٹ ثابت کر دیں گے۔ تو اصل بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنی ساری ذہانت دین کے لئے استعمال کی تو فقہاء کہلائے اور دوسری طرف یہودیوں نے اپنی ذہانت کو شیطانیت کے لئے استعمال کیا تو "مَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ" ہو گئے۔

تینوں نظام کیسے ٹھیک ہوں گے؟

تو عقل، قلب اور نفس کے نظاموں کو ٹھیک کرنا ہے۔ اب یہ تینوں ٹھیک کیسے ہوں گے؟ ان کی تربیت کیسے ہو سکتی ہے؟ اس کے لئے بہت زیادہ

محنت کی ضرورت ہے۔ سب سے پہلے ایمان کی ضرورت ہے کیونکہ اگر ایمان نہیں ہو گا تو کسی بھی عمل کا آخرت میں فائدہ نہیں ہے۔ پہلے ایمان کی ضرورت ہے اس وجہ سے غیر مسلموں میں چاہے کتنے بھی ہوشیار کیوں نہ ہوں وہ بیوقوف سے بیوقوف مسلمان سے زیادہ بیوقوف ہے۔ مثلاً آئن سٹائن بڑے ذہن تھے لیکن وہ ایک بالکل اجھٹ دیہاتی کچھ نہ سمجھنے والے مسلمان سے زیادہ بیوقوف ہے۔ کیوں؟ اس نے اتنی عقل سے یہ کام بھی نہیں لیا کہ اپنے خالق کو پہچانتا ،وہ آپ ﷺ کو پہچانتا،وہ ایمان کو پہچانتا۔ مطلب وہ اپنی عقل سے اتنا بھی نہ کر سکا۔اس وجہ سے اس نے جتنا بھی عقل سے کام لیا سائنس کی بہت خدمت کی لیکن اس دنیا میں کام آیا اُس کے آخرت کے لئے کچھ بھی کام نہیں آیا۔

تو ایمان کے ذریعے سے پہلا Trigger ہوتا ہے۔ اس کے بعد ہمارا جو نفس ہے اس کی رکاوٹ کو دور کرنا ہے اور اپنی عقل کو ایمان کی روشنی میں نیک اعمال کے لئے تیار کرنا ہے۔ اب ذرا حدیث شریف سن لیں حدیث شریف میں آتا ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں عقلمند وہ ہے جس نے اپنے نفس کو قابو کیا اور آخرت کے لئے کام کیا۔ آپ ﷺ کے کلمات مبارکہ اتنے بلاغت والے ہیں کہ آدمی حیران ہو جاتا ہے۔ ایک ایک فقرے کے اندر کتنی روشنی ہوتی ہے۔ آپ ذرا غور فرمائیں صرف دو الفاظ ہیں جس نے اپنے نفس کو قابو کیا اور آخرت کے لئے کام کیا۔اب دیکھو line draw ہو گیا نفس کو قابو کیا۔ جوگی بھی نفس کو قابو کرتا ہے، دکاندار بھی نفس کو قابو کرتا ہے،فوجی بھی نفس کو قابو کرتا ہے۔ مختلف لوگ اپنے نفس کو قابو کرتے ہیں لیکن کس لئے؟ دنیا کے لئے۔ لیکن جس نے نفس کو قابو کیا آخرت کے لئے اس کو عقلمند کہا گیا۔اس کی ایک وجہ ہے۔ باقی لوگ عقلمند کیوں نہیں ہیں؟ ایک شخص ہے اس سے کہا جائے کہ تین منٹ کے لئے تم میری بات مانو پھر باقی پورا دن جو تو کہے گا میں تیری بات پوری کروں گا یا پھر تین منٹ جو من مانی کرنا چاہتے ہو کرو پھر بعد میں میں تیرے ساتھ جو چاہوں گا تو

کروں گا۔تو وہ شخص کیا کرے گا ؟ عقلمند ہو گا تو کیا کرے گا ؟ہاں بس تین منٹ وہ اُس کی بات مانے گا اور پھر پورا دن مزے کرے گا۔ جب یہ والی بات سمجھ میں آگئی تو قیامت کا جو دن ہے وہ پچاس ہزار سال کا ہے۔ اس کو اگر آپ چوبیس گھنٹے مان لیں تو ہماری سو سال کی زندگی اُس کے مقابلے میں تین منٹ کی بنتی ہے۔ اب اگر میں اس تین منٹ میں اپنی من مانی کر لوں تو اگر وہاں صرف ایک دن کی زندگی ہوتی تو مجھے کتنی زیادہ تکلیف ہوتی ؟یہ میں نے صرف سمجھانے کے لئے عرض کیا ہے، ورنہ یقین جانئے وہ زندگی ایک دفعہ شروع ہو جائے گی پھر ختم نہیں ہو گی۔ اس کو سمجھانے کے لئے کچھ لوگوں نے مثال دی ہے کہ زمین اور آسمان کے درمیان میں جتنی جگہ ہے اگر یہ رائی کے دانوں سے بھر دیا جائے اور ایک پرندہ آئے وہ ایک دانے کو ہزار سال کے بعد لے جائے تو ایک دن یہ سارے دانے ختم ہو جائیں گے لیکن آخرت کی زندگی ختم نہیں ہو گی۔ اب نعوذ باللہ من ذلک میں نے اس زندگی میں اپنی مرضی کی زندگی گزاری اور اس خسارے میں چلا گیا تو کتنی خطرناک بات ہو گی؟

اچھا دوسری بات یہ ہے کہ جو مرضی کی زندگی گزارتا ہے قسم سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ کوئی سُکھ کی زندگی نہیں ہوتی۔ سُکھ پھر بھی نہیں ملتا۔شریعت پہ چلنے میں اطمینان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات ماننے میں اطمینان ہے۔ أَلَابِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ۔جو اطمینان دل کو اللہ کے ذکر سے ملتا ہے وہ دنیا کی چیزوں سے نہیں ملتا۔میں جرمنی میں تھا تووہاں ایک شرابی تھا لیکن اس کو میرے ساتھ کچھ محبت ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتظام ہو جاتا ہے۔وہ میرے راستے میں کھڑا ہو جاتا اور مجھے کہتا کہ آپ میرے ساتھ گھر چلے جائیں۔ میں اُس کو کہتا کہ میں آپ کے ساتھ گھر کیسے جا سکتا ہوں میرے تو بہت کام ہیں۔ تو ایک دن مجھے کہنے لگے کہ آپ لوگ مجھے اس لئے پسند ہیں کہ آپ لوگوں کے پاس جو خدا تعالیٰ کا ماننا ہے یہ بہت بڑی چیز ہے۔ اس سے آپ لوگ بہت Satisfied ہیں۔ میں نے کہا آپ بھی ہو جائیں تو

آپ بھی Satisfied ہو جائیں۔ کس نے پابندی لگائی ہے؟ وہ تھاتو شرابی لیکن میرے سامنے شراب نہیں پیتا تھا۔ ایک دن میں اس حالت میں اس پہ آیا کہ اس نے شراب پی ہوئی تھی۔ اس کے الفاظ ٹوٹ رہے تھے تو بڑے شرمندہ ہو گئے کہ میں نے اس حالت میں اس کو دیکھ لیا۔ تو مجھے کہتے ہیں جرمن زبان میں Ich bin wie ein Hund یعنی میں کتے کی طرح ہوں۔ اتنا اپنی نظروں میں گر گیا۔ کہتا ہے میں کتے کی طرح ہوں۔

تو مقصد میرا یہ ہے اطمینان اگر ہے تو مسلمان کے پاس ہے کسی اور کے پاس اطمینان نہیں ہے۔ Michael Jackson کے واقعات آپ لوگوں نے سنے ہوں گے وہ اخیر میں کہتا تھا میں دنیا کا سب سے تنہا آدمی ہوں۔ حالانکہ اس کے کتنے مداح تھے لیکن یہ مداح کیا تھے؟ وہ میں آپ کو بتاؤں آخر میں آدمی کو ایک معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ معرفت کیا تھی؟ اس کو پتہ لگ گیا کہ یہ لوگ تو مجھے صرف اپنا جی بہلانے کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ میرے ساتھ تو کسی کی ہمدردی نہیں ہے۔ یعنی میں جس طریقے سے ہوں کبھی کیا کرتا ہوں کبھی کیا کرتا ہوں اور اُس پر لوگ خوش ہوتے ہیں اور مجھے داد دیتے ہیں۔ یہ تو اصل میں لوگ اپنے آپ کو خوش کر رہے ہیں۔ میرے لئے تو نہیں کر رہے۔ اب ایسا شخص کیا اس چیز سے خوش ہو گا؟ اپنے ادھر گرد خود غرض لوگوں کو دیکھے گا تو اس سے تو اس کو اطمینان نہیں ہو گا۔ تو اس کی یہ حالت تھی کہ اس کو نیند نہیں آتی تھی اور نیند کے لئے وہ انجکشن پر انجکشن لگاتا تھا اس کی موت بھی اسی وجہ سے ہوئی۔ یہ اس کی حالت تھی۔

اصل اطمینان مسلمان کے پاس ہے

اس لئے میں عرض کرتا ہوں کہ یہ جتنے بھی لوگوں کو آپ سکھی دیکھ رہے ہیں ذرا اُن کے قریب جا کر آپ دیکھیں پھر آپ کو پتہ چل جائے گا کہ کتنے سکھی ہیں؟ اور مسلمان کی حالت یہ ہے کہ بے شک کتنا ہی تکلیف

میں کیوں نہ ہو لیکن اس کو ایک آسرا ہوتا ہے۔ مثلاً دیکھو ناں مجھ پر اگر ظلم ہو جائے تو میں کہوں گا اللہ ہے، اللہ دیکھ رہا ہے اور مجھے اس آسرے کی وجہ سے اطمینان ہو جاتا ہے۔ پھر اگر میں تکلیف میں بھی ہوتا ہوں تو مجھے اطمینان ہوتا ہے کہ اس تکلیف پر مجھے اجر ملے گا۔ اچھا کمال کی بات یہ ہے کہ مسلمان کے پاس تو یہ ہے کہ اُس کے ساتھ جو ہوتا ہے تو اس کو پتہ ہے کہ اللہ پاک کی مرضی کے مطابق ہوا ہے۔ لیکن کافر کیسے اپنے آپ کو مطمئن کرے گا ؟وہ اپنے آپ کو مطمئن نہیں کر سکتا۔ اس وجہ سے میں کہتا ہوں دنیا میں بھی مسلمان سُکھی ہیں اور آخرت تو ہے ہی مسلمان کے لئے۔ یہ احساس کمتری جو ہمارے اندر ڈالی گئی ہے کہ ہم لوگ اپنے آپ کو Inferior سمجھتے ہیں، ایسا نہیں ہے۔

معیار انسانیت مسلمان کے پاس ہے

اگر یہ احساس کمتری ہمارے اندر نہ ہو تو میں آپ کو بتاؤں ہمارے پاس ایسا زبردست معیار موجود ہے جس معیار کے مقابلے میں کوئی اور نہیں ہے اور وہ ہے آپ ﷺ۔ یعنی آپ ﷺ کے بارے میں دشمن بھی جو گواہی دیتے ہیں وہ کیسی گواہی دیتے ہیں ؟جتنے بھی بڑے بڑے کافر ہیں ذرا اُن کی بات سنو۔ اصل میں بات یہ ہے کہ وہ آپ ﷺ کے بارے میں کوئی بات کر نہیں سکتے۔ تو ایسی معیاری شخصیت ہمارے سامنے ہے اگر ہم احساس کمتری میں نہ ہوں تو مجھے بتاؤ مجھے کون سی چیز روک رہی ہے کہ میں اُن کے طریقے کو نہ اپناؤں؟ میرے پاس ایک بہت بڑا معیار موجود ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنی اصلاح کرنی چاہئے کہ تا کہ ہماری یہ احساس کمتری ختم ہو جائے اور صحیح کو صحیح دیکھ سکیں اور غلط کو غلط دیکھ سکیں۔ میں آپ کو بتاؤں میں نے یہ عینک پہنی ہوئی ہے۔ یہ جو عینک ہے اگر میں سبز عینک پہن لوں تو آپ سب مجھے سبز نظر آئیں گے۔ لیکن کیا اس سے آپ سب سبز ہو گئے ؟ آپ کو تو کچھ بھی نہیں ہوا لیکن مجھے سبز نظر آ رہے ہیں۔اس طرح میں نے

اگر سرخ عینک پہنچ لی تو آپ مجھے سرخ نظر آئیں گے۔ اگر میں نے احساس کمتری سے چیزوں کو دیکھا تو پھر مجھے یہ ساری چیزیں اچھی نظر آئیں گی اور میں اپنے آپ کو سب سے کم تر سمجھوں گا اور حسد میں مبتلا ہوں گا، کینہ میں مبتلا ہوں گا۔ اور اگر میں نے دوسری عینک پہن لی تو مجھے اس طرح نظر آ جائے گا۔یہ دیکھیں ایک آیت کریمہ ہے۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ اللہ کا رنگ۔ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً۔ کس کا رنگ بہتر ہے اللہ کے رنگ سے؟ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کی نظر سے دیکھو، اللہ کا رنگ اپناؤ۔اس کے ذریعے سے آپ دیکھیں گے تو آپ کو ساری چیزیں Clear نظر آئیں گی۔ پھر کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ لیکن اس کے لئے ہمیں کچھ کرنا پڑے گا اور وہ کرنا کیا ہے؟ ہمیں ذکر کرنا پڑے گا اپنے دل کو درست کرنے کے لئے، ریاضت اور مجاہدہ کرنا پڑے گا اپنے نفس کو درست کرنے کے لئے اور اپنی عقل کو درست کرنے کے لئے ہمیں ذکر و فکر کرنا پڑے گا۔

دنیا و آخرت دونوں کا فائدہ اپنی اصلاح میں ہے

دیکھیں اسلام دین فطرت ہے اور دین فطرت کا مطلب یہ ہے کہ اس میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جس سے انسان کو فائدہ ہوتا ہے اور وہ تمام چیزیں اس میں ممنوع ہیں جن سے نقصان ہوتا ہو۔ مثلاً غصہ کو قابو کرنا۔کیا خیال ہے دنیا کے لئے غصہ کو قابو کرنا ٹھیک ہے یا نقصان دہ ہے؟ ٹھیک ہے ناں۔ آپ غصہ کو اللہ کے لئے قابو کریں لیکن آپ کا دنیا کا بھی فائدہ ہو جائے گا یا نہیں ہو جائے گا ؟ہاں جی۔ اس طریقے سے آپ سچ بولیں تو سچ بولنے سے آپ کا دنیا کا فائدہ ہو گا یا نہیں ہو گا ؟ دنیا کا فائدہ بھی ہو گا۔لوگ آپ پر یقین کریں گے۔ تو عمل آپ کریں اللہ کے لئے لیکن فائدہ آپ کو دنیا میں بھی ملے گا۔ جو جو حکم آپ اللہ پاک کا پورا کرتے ہیں اس کے ساتھ آپ کو دنیا کا فائدہ بھی ہوتا ہے۔ پس اگر ہم لوگ اللہ کی رضا کے لئے اپنے آپ کو صحیح مسلمان بنا دیں تو پوری دنیا ہمارے قبضے میں آ سکتی ہے۔ پوری دنیا ہمارے

قبضے میں آ سکتی ہے اور ہوا ہے ایسا۔ یعنی ایسا نہیں کہ ہوا نہیں ہے۔ صحابہ کے دور کو دیکھو۔ میرا ایک کلاس فیلو ہے وہ Geneva میں ایک بہت بڑے عہدہ پر ہے۔ ایک دفعہ میرے ساتھ ملا۔مجھے کہا شبیر صاحب آپ کون سی باتیں کرتے ہیں؟ کون سی دنیا کی باتیں کرتے ہیں؟ آپ کس دنیا میں رہتے ہیں؟ ابھی تک آپ وہی پُرانی باتیں کر رہے ہیں؟ یہ ہوتا ہے آج کل۔ یہ فیشن ہے اس قسم کی باتیں لوگ کرتے ہیں۔ بالخصوص دنیا کے بڑے بڑے پوسٹوں پر جو ہوتے ہیں ان کی تو یہی باتیں ہوتی ہیں۔ اُس کا نام ایرج ہے۔ میں نے کہا ایرج میں ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ کہتا ہے کیا ؟میں نے کہا یہ بتاؤ صحابہ کرام زیادہ دنیا دار تھے یا ہم زیادہ دنیادار ہیں؟سچ سچ بتاؤ۔ کہتا ہے صحابہ کرام تو دنیادار تھے ہی نہیں ہم دنیادار ہیں۔میں نے کہا اچھا بات ہو گئی۔ میں نے کہا اب سچ سچ بتاؤ ،دنیا میں۔۔۔ آخرت کی بات نہیں کر رہا ہوں۔ آخرت میں تو خیر ہے ہی۔۔۔دنیا میں صحابہ زیادہ کامیاب تھے یا ہم زیادہ کامیاب ہیں؟ یہ بتاؤ دنیا کی بات کر رہا ہوں۔ مجھے کہتا ہے دنیا میں بھی وہی کامیاب تھے۔ اُس وقت صحابہ کرام سے ساری دنیا ڈر رہی تھی یا اس وقت ہم سے دنیا ڈر رہی ہے؟ کس سے ڈر رہی ہے؟ صحابہ سے دنیا ڈر رہی تھی۔ کیا ہم سے ڈر رہی ہے؟ ہم سے نہیں ڈر رہی۔ صحابہ کرام سے ڈر رہی تھی۔ صحابہ کرام کی عزت تھی یا ہماری عزت ہے؟ صحابہ کرام کی عزت تھی ہماری نہیں ہے۔ دنیا میں کتنے بڑے علاقے پر ان کا قبضہ تھا۔ اُس نے فوراً کہا کہ صحابہ دنیا میں کامیاب تھے ہم نہیں ہیں۔ میں نے کہا آپ کی Theory تو فیل ہو گئی۔ میں اگر صحابہ کے طریقے پر آنا چاہتا ہوں اور دوسروں کو بھی لانا چاہتا ہوں تو آپ مجھے اس سے روک رہے ہیں تو کیا مطلب ؟خاموش ہو گیا۔ بالکل پکی پکی باتیں ہیں یہ کچی باتیں نہیں ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو بھی اللہ پاک کے دین کو دل سے مانے گا اور آخرت پر یقین کرے گا اس کے مطابق زندگی گزارے گا تو اس کی دنیا بھی اچھی اور آخرت بھی اچھی۔ہاں یہ علیحدہ بات ہے کہ وقتی طور پر آپ کو نسبتاً بات مختلف نظر آ

سکتی ہے۔ لیکن اس کے لئے میں ایک بات عرض کرتا ہوں آسان سی بات ہے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیٹا فوت ہوا۔ بڑی غمگین تھیں تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر تو چاہے تو میں اللہ پاک سے عرض کر لوں کہ اللہ تعالیٰ تجھے جنت میں تیرا بیٹا دکھا دے۔ ظاہر ہے عورت ذات کو تو بہت تکلیف ہوتی ہے تو جیسے ہاجرہ بی بی نے تاریخی فقرہ فرمایا تھا تو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے بھی تاریخی فقرہ کہا۔ فرمایا یا رسول اللہ ﷺ اب مجھے اس کے دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ مجھے اپنی آنکھوں پہ اتنا یقین نہیں ہے جتنا آپ ﷺ کی زبان پر یقین ہے۔ یہ ہے وہ چیز۔ اگر ہمارا بھی ایسا یقین بن جائے تو سارے حدیث شریفہ ہمارے سامنے موجود ہیں۔ اب دیکھو میں اس وقت آپ کے سامنے بات کر رہا ہوں تو آپ کہتے ہیں کہ میں بات کر رہا ہوں۔ اگر میں کراچی سے ٹیلی فون کر کے بات کروں اور آپ آواز کو پہچانتے ہوں تو آپ کہیں گے کہ فلاں بات کر رہے ہیں۔ اگر آپ کے دل میں میری عزت ہو گی تو اس وقت اگر آپ میری بات مان سکتے ہیں تو کیا اس وقت نہیں مانیں گے؟ تو بات تو یہ ہے کہ اگر چودہ سو سال پہلے آپ ﷺ نے بات کی ہے اور آپ ﷺ کی بات مستند طریقے سے ہم تک پہنچی ہے تو بات تو آپ ﷺ کی ہے ناں۔ لہٰذا بس پھر ہمیں اس پر یقین کرنا چاہئے۔ یہی یقین ہمارا پیدا ہو جائے پھر اس کے بعد اللہ جل شانہ کے فیصلے ہمارے لئے بھی وہی ہوں گے جو صحابہ کرام کے لئے تھے۔ کیونکہ اللہ کا قانون نہیں بدلا۔ صحابہ کرام کا طریقہ تھا وہ کہتے تھے "اٰمنّا و صدقنا " ہم ایمان لائے اور ہم نے تصدیق کر لی۔ دوسری بات نہیں ہوتی تھی۔ جو بھی آپ ﷺ کی طرف سے آتا" اٰمنّاوصدقنا "اور جو بات آپ ﷺ فرماتے کہ یہ کرو تو " سمعناواطعنا " ہم نے سن لیا اور ہم نے اطاعت کر لی یہ دو باتیں تھیں۔ اور تیسری بات بھی ایک تھی وہ بھی فرماتے تھے "فداہ امی و ابی یا رسول اللہ" ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یا رسول اللہ۔ یہ صحابہ کے بالکل زبان پر ہوتی تھیں اور وہ اس کے مطابق عمل بھی فوراً کرتے تھے۔ اگر ہم

صحابہ کی زندگیوں کو دیکھیں تو اُن کی زندگیوں میں اس کے بے شمار مثالیں ملیں گی۔ یعنی یہ نہیں کہ محض زبانی باتیں تھیں بلکہ عملاً وہ اس طرح کرتے تھے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر آج ہماری یہ حالت ہو جائے کہ ہم بھی آپ ﷺ کی بات کو ایسا ہی سمجھیں جیسے صحابہ سمجھتے تھے، آپ ﷺ کی بات پر ایسا یقین کریں جیسے صحابہ کرام کرتے تھے تو پھر اللہ کی مدد ہمارے ساتھ ایسے ہی ہو گی جیسے صحابہ کے ساتھ تھی۔

طریقِ صحابہ پر آنے کیلئے سلوک طے کرنا

اور ایک بات عرض کرتا ہوں اس کے لئے طریقہ کیا ہے؟ کیسے کریں گے؟ وہی شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ والی بات اپنے نفس کو قابو کرو، اپنے دل کو دنیا کی محبت سے پاک کرو اور اپنے عقل کو شریعت کے مطابق کر دو۔ یعنی جس کو شریعت صحیح کہتا ہے آپ کا عقل بھی اُس کو صحیح مان لے اور جس کو شریعت غلط کہہ رہا ہے آپ کا عقل بھی اُس کو غلط مان لے۔ یہ تین باتیں اگر ہو گئیں تو اس کو کہتے ہیں سلوک طے کرنا۔ کیا کہتے ہیں؟ سلوک طے کرنا۔ جب سلوک طے ہو گیا تو اس سے سیر الی اللہ مکمل ہو گیا۔ اب طریقِ صحابہ پہ آپ آ گئے کیونکہ طریقِ صحابہ کے لئے رکاوٹ یہی تین چیزیں ہیں۔ نفس ہے، دل ہے اور عقل ہے۔ اگر یہ تین چیزیں قابو میں آ گئیں بس پھر ٹھیک ہے اس کے بعد تو صحابہ کا طریقہ ہے شریعت بھی یہی ہے۔

ذکر بالجہر اور مراقبہ کیا ہے؟

اکثر لوگ کہتے ہیں یہ ذکر بالجہر کہاں سے آ گیا؟ مراقبہ کہاں سے آ گیا؟ صحابہ نے تو ایسا نہیں کیا۔ ہم کہتے ہیں صحابہ کو ضرورت ہی نہیں تھی۔ صحابہ کو جو دولت ملی تھی وہ دولت تو آپ کو کبھی مل ہی نہیں سکتی۔ صحابہ کو جو دولت ملی تھی وہ آپ ﷺ کی صحبت تھی جس کے ہوتے ہوئے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن یہ طے شدہ بات ہے حضرت انس رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کی روایت موجود ہے کہ ابھی ہم نے آپ ﷺ کی قبر شریف کے مٹی سے اپنے ہاتھ ہی جھاڑے تھے کہ ہم نے اپنے دلوں میں فرق محسوس کر لیا۔ ہم نے اپنے دلوں میں فرق محسوس کیا۔ یہ فرق تابعین میں اور زیادہ ہو گیا، تبع تابعین میں اور زیادہ ہو گیا اور پھر مزید بڑھتے بڑھتے ہمارے وقت میں کہاں تک پہنچ گیا؟ تو جب یہ والی صورتحال ہے تو اس کو Compensate کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ تو کرنا پڑے گا۔ وہ جو Compensate کرنے کے لئے جو چیزیں ہیں اس کو سیر الی اللہ کہتے ہیں۔ اس کو سلوک طے کرنا کہتے ہیں۔ لیکن سلوک طے کرنے کے لئے پہلے جذب حاصل کیا جاتا ہے۔ ذکر جہری اور مراقبات کے ذریعے سے اتنی محبت پیدا کی جاتی ہے کہ اس محبت کے جوش میں ہم اپنے آپ کو سلوک طے کرانے کے لئے پیش کر دیں۔ ورنہ بغیر جذب کے انسان اپنے آپ کو پیش ہی نہیں کر سکتا۔ اس کے لئے تیار ہی نہیں ہوتا۔ اتنا جذب اگر پیدا ہو جائے کہ انسان اپنے آپ کو سلوک طے کرنے کے لئے پیش کر دے اُس کے بعد پھر شیخ کا کام ہوتا ہے کہ اس کو سلوک طے کرا دے۔

سلوک کے دس مقامات

دیکھیں ہر کام طریقے سے ہوتا ہے بے طریقے نہیں ہوتا۔ یہ جو فیصل مسجد ہے بہت بڑی مسجد ہے۔ تو لوگ اس کو دیکھ کر کہیں گے کہ یہ کیسے بنی ہے؟ یہ ایک دن میں نہیں بنی۔ یہ کافی عرصہ میں بنی ہے اور باقاعدہ Step by Step بنی ہے تو طریقے سے چلے تو اتنی بڑی بلڈنگ بن گئی۔ اسی طریقے سے یہ جو ہمارے نفس کے رذائل ہیں یہ ویسے ایک دن میں سارے نہیں نکلیں گے یہ باقاعدہ طریقے سے نکالنے ہوتے ہیں۔ تو طریقے سے نکالنے کے لئے مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دس Steps بتائے ہیں کہ پہلے مقامِ توبہ حاصل کر لو، پھر اس کے بعد مقام انابت حاصل کر لو۔ مقامِ توبہ کیا چیز ہے؟ مقامِ توبہ یہ چیز ہے کہ جیسے ہم مکان بناتے ہیں تو ہم صفائی کرتے ہیں

جگہ صاف کرتے ہیں۔ سب سے پہلا کام ہمارا جگہ صاف کرنے کا ہوتا ہے۔ یہ مقامِ توبہ ہے تا کہ گذشتہ گناہ صاف ہو جائیں۔ اس کے بعد پھر بنیادیں ڈالی جاتی ہیں۔ یہ بنیادیں ڈالنا کیا ہے؟ یہ مقامِ انابت ہے۔ پھر اس کے لئے ماشاء اللہ وہ چیزیں جمع کی جاتی ہیں جو کہ اس میں استعمال ہوں گی۔ اس میں قناعت استعمال ہوتا ہے ،ریاضت استعمال ہوتا ہے۔قناعت اور ریاضت یہ اس کا Material ہے۔ بغیر قناعت اور ریاضت کے آپ کوئی کام بھی نہیں کر سکتے۔ حرص کی وجہ سے سارے کام خراب ہو جاتے ہیں اور اس طریقے سے جو کام ہی نہیں کر سکتا اپنی جگہ سے اٹھ ہی نہیں سکتا وہ کیا کام کرے گا؟ پھر اس کے بعد حفاظت کا نظام ہونا چاہئے کہ جو Material ہے اس کو کوئی چوری نہ کرے۔یہ تقویٰ ہے۔ پھر اس کے بعد اس Material کو استعمال کرنا پڑتا ہے۔ تو قناعت کو استعمال کرنے کا نام کیا ہے؟ زُہد ہے اور ریاضت کو استعمال کرنے کا نام صبر ہے۔ سمجھ میں آ گئی بات۔ جب یہ چیزیں ہو گئیں تو اس کے بعد پھر آپ کا اللہ پر بھروسہ کامل ہو گا۔اللہ کے پاس جو کچھ ہو گا اس پہ زیادہ یقین ہو گا اور جو اپنے پاس ہے اُس پر یقین نہیں ہو گا۔یہ مقامِ توکل ہے۔ پھر اس کے بعد ساری چیزیں اللہ کی مان لیں گے کہ اللہ پاک کی ساری باتیں سچی ہیں، پیغمبر کی ساری باتیں سچی ہیں۔ یہ مقامِ تسلیم ہے۔ پھر اس کے بعد آپ اللہ سے راضی ہو جائیں گے اللہ آپ سے راضی ہو جائے گا اور قرآن پاک میں ہے" يٰاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِىْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً" اب اس کے اندر وقت کتنا لگتا ہے ؟ یہ اس پر منحصر ہے کہ لوہا کتنا سخت ہے اور کتنا نرم ہے؟ Material آپ کا کیا ہے؟ اس کے حساب سے آپ کی استعداد دیکھی جائے گی کہ آپ کی استعداد کیسی ہے۔اگر آپ کی استعداد اچھی ہے جلدی آپ کا کام ہو جائے گا استعداد ٹھیک نہیں ہے تو دیر لگے گی لیکن بہرحال ہو جائے گا۔

ضرورتِ شیخ

لیکن یہ چیزیں ہمیں کسی کی guidance میں کرنی پڑیں گی۔ بغیر guidance کے ہم کریں گے تو ایسا ہے جیسے آپ کیمسٹ کی دکان سے بغیر سوچے سمجھے دوائی لے لیں تو کیا ہو جائے گا ؟ایک دفعہ میں D. Watson مشہور کیمسٹ ہے اُس کے پاس دوائی لینے کے لئے کھڑا تھا۔ایک صاحب آئے اس نے کہا کہ مجھے کھانسی کا شربت دے دو۔ دکاندار نے ایک شربت اس کو دے دیا۔ میں نے اُس شخص کو پکڑا۔ میں نے کہا کہ میں ڈاکٹر تو نہیں ہوں لیکن ڈاکٹروں سے سنا ہے کہ تین قسم کی کھانسیاں ایسی ہیں جس میں ہر ایک دوسرے سے مختلف ہے اور ایک قسم کے کھانسی کی دوائی دوسری قسم کی کھانسی کے لئے مضر ہے تو آپ نے کیا اس کو دیکھا ہے کہ کون سی کھانسی ہے؟ آپ نے ایک کھانسی کو سمجھ کر دوائی دی ہو اگر وہ دوسری قسم کی ہو تو پھر کیا ہو گا؟ اس کو نقصان ہو گیا تو کیا کرو گے؟ وہ دوکاندار فوراً سمجھ گیا۔اس کو پیسے دے دیئے اور سیرپ اس سے واپس لے لیا اور کہا جاؤ ڈاکٹر سے لکھوا کے لے آؤ۔ مقصد میرا یہ ہے کہ یہ جو چیزیں ہیں ہمیں proper طریقے سے کرنی ہوں گی guidance سے کرنی ہوں گی۔

شیخ کامل کی نشانیاں

تو اس گائیڈ کے بارے میں میں آپ کو ابھی بتاتا ہوں کیونکہ آج کل بہت سارا material اس کے خلاف گیا ہے کہ یہ لوگ ایسے ہیں یہ لوگ ایسے ہیں۔ بھائی خراب سے خراب لوگ دیکھو لیکن ان کے پاس نہ جاؤ ناں۔ جاؤ ان کے پاس جن میں خراب چیزیں نہ ہوں۔ تو وہ کون سے لوگ ہو سکتے ہیں؟ وہ آٹھ نشانیاں میں اکثر بتاتا ہوں۔ پہلی بات وہ اہل سنت و الجماعت میں سے ہوں کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے "مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي" جس پر میں ہوں اور جس پر میرے صحابہ ہیں۔ یہ طریقہ ہمارا ہونا چاہئے۔ دوسری

بات فرضِ عین درجے کا علم اس کے پاس ہونا چاہئے۔ تیسری بات فرضِ عین درجے کے علم پر عمل ہونا چاہئے۔ چوتھی بات اُس کی صحبت کا سلسلہ آپ ﷺ کی صحبت تک پہنچتا ہو، اور پانچویں بات یہ ہے اُدھر سے کسی شیخ کامل سے اجازت بھی ہو، چھٹی بات اس کا فیض جاری ہو۔ یعنی جو لوگ بھی اُس کے پاس اپنی اصلاح کی غرض سے آرہے ہوں اُن میں اکثر کو فائدہ ہو رہا ہو اور ساتویں بات یہ ہے کہ مروت نہ کرتا ہو اصلاح کرتا ہو اور آٹھویں بات یہ ہے کہ ان کی مجلس میں بیٹھ کر اللہ یاد آتا ہو اور دنیا کی محبت کم ہوتی ہو۔ اگر یہ چیزیں ان میں پائی جائیں تو پھر کشف و کرامات ان میں نہ دیکھیں کیونکہ کشف و کرامات ثانوی چیزیں ہیں۔ یہ بعض صحابہ میں تھیں بعض میں نہیں تھیں تو جن میں نہیں تھیں وہ بھی صحابہ تھے اور جن میں تھیں وہ بھی صحابہ تھے۔ لہٰذا اس پر فیصلہ نہیں ہے۔ فیصلہ آٹھ نشانیوں پر ہے اور یہ آٹھ نشانیوں والے آپ کو قیامت تک ملیں گے۔ آپ حیران ہوں گے کیسے آپ کو پتہ ہے کہ قیامت تک ملیں گے؟ اللہ پاک کے قرآن میں دو آیتوں سے پتہ چلتا ہے۔ اللہ پاک فرماتے ہیں " **لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا**" اللہ پاک کسی ایسی چیز کا ہمیں ذمہ دار نہیں بناتا جو ہم نہ کر سکتے ہوں۔ ایک بات۔ اور اللہ پاک نے فرمایا ہے"**كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ**" صادقین کے ساتھ ہو جاؤ اگر صادقین نہیں ہوں گے تو اس پر ہم کیسے عمل کریں گے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک صادقین کو پیدا فرماتے رہیں گے اپنے وقت کے حالات کے مطابق اور ہم لوگ ان کے ساتھ چلیں گے، ہم ان کے پیچھے جائیں گے۔ تو اس کے لئے ہمیں ڈھونڈنا ہے۔ ایسے لوگ مل جائیں تو سبحان اللہ فوراً ان کے ساتھ ہو جاؤ۔ بقول حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ان کی صحبت کو اپنے لئے سب سے قیمتی سرمایہ سمجھو۔ ان کو پھر ضائع نہ کرو۔ اپنے آپ کو ضائع نہ کرو

ابتدائی ذکر اور رابطہ کا طریقہ

دوسری بات جب تک آپ Try کر رہے ہیں کوشش کر رہے ہیں یعنی ان کو پانے میں، جب تک نہ ملیں تو ایک وظیفہ میں اکثر بتایا کرتا ہوں وہ ہے 300 دفعہ "سُبْحَانَ اللهِ والْحَمْدُ لِلّٰهِ ولا اِلٰهَ اِلا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ "اور 200 دفعہ "لَاحَوْلَ وَلَا قوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ "اس کو چالیس دن تک اگر آپ باقاعدگی کے ساتھ کریں گے روزانہ بلاناغہ ایک وقت مقرر کر کے تو ان شاء اللہ ان شاء اللہ چالیس دن کے بعد آپ کو اپنے دل میں کوئی تبدیلی محسوس ہو گی ان شاء اللہ۔اس کے بعد اگر آپ کا دل چاہے گا تو اس کو بڑھا سکتے ہیں ٹیلی فون کر لیں ہمارا ٹیلی فون کا وقت بارہ بجے سے لے کر ایک بجے تک ہے۔ آپ کو کارڈ مل جائے گا کارڈ پر یہ وظیفہ موجود ہے اس پر ٹیلی فون نمبر بھی ہے تو بارہ بجے سے لے کر ایک بجے تک ہمارا ٹائم ہے البتہ جمعہ کے دن چھٹی ہوتی ہے۔ تو جو بھی ٹیلی فون کرے گا ان شاء اللہ ان کو اگلا سبق دیا جا سکتا ہے اور اس کارڈ پر ہمارے خانقاہ کا نقشہ بھی ہے پہنچنے کے لئے۔ اگر کبھی پنڈی آنا ہوا تو ضرور وہاں پر بھی تشریف لایئے۔ اصل کام تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ پاک سے مانگنا ہے کہ اللہ پاک ہم سب کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم اس کے لئے فکر کر لیں۔باقی یہ ہے کہ ہم جو کوشش کریں گے اپنے فائدے کے لئے کریں گے اور وقت اگر ضائع کریں گے تو اپنا نقصان کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرما دے۔وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ

دَ دِین ظاهر اؤ باطن

نوټ: دا بیان پۀ بونیر کښې دَ حضرت پیربابا علیه رحمة مزار سره نزدې جومات کښې شوې وۀ۔

بسم الله الرحمن الرحیم

ګرانو قدرمندو د پیر بابا رحمة الله علیه یو خلیفه حضرت اخون درویزه بابا رحمة الله علیه ډیر لوئے عالم وۀ اؤ پۀ دې ځائې کښې چې کوم علمي الحاد خور شوے وو هغه دَ حضرت اخون درویزه بابا پۀ وجه باندے الله پاک ختم کړو اؤ هغه الحاد دَ دې ځائې نه ختم شو۔ هر دور کښې پۀ دین کښې شګاف راوستو دپاره شیطان خلق تیار کړي دي اؤ پۀ مختلفو طریقو باندې دا خلق استعمالیږي اؤ هغوي دَدې دپاره دَ قرآن اؤ حدیث دلیلونه استعمالوي حالانکه هغه پۀ دین کښې وران والے راولي، دَ دین دَ تباه کؤلو منصوبې وي لیکن دَ هغې دپاره هغوي دَ قرآن پاک آیتونه اؤ احادیث شریف استعمالوي۔ پۀ کومو خلقو چې الله تعالیٰ خصوصي فضل کړے وي لکه دَ پیر بابا علیه رحمة پۀ شان اؤ نور زمونږ کوم محقق علماء کرام اؤ صوفیاء کرام چې دي هغوي هغه فتنې ختمې کړي اؤ الحمد لله پۀ نوي صورت کښې هغه زور دین بیا راوچت شي۔ نو بهرحال اصل خبره دا ده چې ما کوم دَ قرآن پاک آیتونه تلاوت کړل پۀ هغې کښې دا خبره راغلے ده چې ټوله خرابي دَ څۀ وجهې ده؟ اؤ دا پۀ دین کښې بدلون خلق ولې راولي؟دَدې صرف یو وجه ده چې هغه حضور پاک صلي الله علیه وسلم پۀ خپل حدیث شریف کښې بیان کړے ده۔ هغه حدیث شریف دا دے حُب الدنیا رأس کُلِ خطیئه دَ دنیا مینه دَ ټولو روحاني مرضونو جړه ده۔ دنیا څۀ ته وائی؟ دَ مرګ نه مخکښې چې کوم څیز دے هغې ته مونږ دنیا وایو

دَ مرګ نه پس آخرت شورو شي اؤ دَ مرګ نه مخکښې چې څۀ دي دا ټوله دنيا ده۔ پۀ دې کښې کۀ مونږ دَ دين کار کؤ نو دا دنيا زمونږ دپاره دَ آخرت پټے دے۔ لکه څنګه چې پۀ حديث شريف کښې راغلي دي۔ الدنيا مزرعة الآخرة۔ اؤ کۀ پۀ دې کښې دَ دنيا مينه مونږ پۀ زړۀ کښې اچؤ نو دې سره روحاني مرضونه زمونږ زړۀ ته راځي۔ دَ دنيا مينه پۀ درے قسمه ده۔ يو دا دے چې زۀ دې ډير زيات غټ شم ما ته دې خلق صيب وائی، ما ته دې خلق وزير اعظم وائی، ماته دې خلق چودهري وائی، ماته دې خلق خان وائی اؤ زما دې پۀ مجلس کښې عزت وي۔ کله چې پۀ لاره ځم نو ما ته دې خلق ودريږي اؤ ما ته دې سلامونه کوي۔ دا دَ اوچت والي مينه ده۔ دا ډير خطرناک څيز دے دا څيز دَ خلقو حجونه خراب کړي،دغه څيز دَ خلقو مونځونه خراب کړي، دغه څيز دَ خلقو زکاتونه خراب کړي ، دغه څيز دَ خلقو ټول عبادتونه ختم کړي اؤ هم دا څيز دَ انسان نه شيطان جوړ کړي۔ آخر شيطان پۀ څۀ کښې مبتلا شوے وۀ ؟ شيطان هم پۀ دغه څيز کښې مبتلا شوے وۀ چې هغۀ عبادت کړے وۀ اؤ پۀ خپل عبادت ئې فخر وکړو اؤ دا ئې ووې چې زۀ دومره اوچت يم ، ما دومره عبادت کړے دے۔ پکار دے چې ددې دنيا خليفه زۀ شم۔ چې کله الله پاک حکم وکړو چې آدم عليه سلام ته سجده وکړه نو هغۀ دَ الله پاک حکم دَ ماتولو اراده وکړه اؤ دا ئې ووې چې يا الله تا زۀ دَ اور نه پيدا کړے يم اؤ آدم عليه سلام دې دَ خټې نه پيدا کړے دے اؤ اور دَ خټې نه اوچت دے۔ نو زۀ دۀ ته څنګه سجده وکړم؟ نو الله جل شانه هغه دَ خپل دربار نه وويستۀ اؤ دې مردود شو نو دې دومره ظالم دے چې پۀ هغه وخت کښې ئې دَ الله پاک نه دا سوال وکړو چې يا الله ما ته مهلت راکړې۔ الله پاک دۀ ته مهلت ورکړو۔ دې نه پس دۀ الله پاک ته ووې چې يا الله ستا پۀ عزت مې قسم دے چې زۀ به دَدې خلقو پۀ لار کښې کښينم زۀ به دوي ته دَ مخې اړخ نه

راځم، دَ شا اړخ نه به دوي ته راځم، دَ ښي اړخ نه به راځم، دَ کس اړخ نه به راځم اؤ زۀ به دا خلق ګمراه کوم اؤ تا طرف ته به يې نۀ پريږدم مګر ستا چې کوم منتخب خلق دي پۀ هغوي به زما وس نه چليږي۔ الله پاک ورته وفرمائيل ټيک ده خبره وشوه اؤ زۀ هم درته خبره کؤم چې کوم زما دي پۀ هغوي به ستا وس نۀ چليږي اؤ چې کوم ستا دي دَ هغوي نه به زۀ دا جهنم ډک کړم۔ نو دا خبره دَ الله جل شانه اؤ دَ شيطان ترمينځه شوے ده۔ اوس الله پاک پۀ قرآن کريم کښې مونږ ته دا خبره بيا بيا واضحه کړے ده" **اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ**" اؤ" **فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا**" چې دا شيطان ستاسو ښکاره دښمن دے اؤ دې پۀ دښمنۍ سره ونيسئ۔ ليکن کله چې دې مونږ ته چال بازي شورو کړي اؤ زمونږ اعمال مونږ ته ښائسته کړي نو بيا مونږ دا نۀ وينو چې دا دَ شيطان چال دے اؤ کۀ نه دې کښې زمونږ خپله فائده ده۔ اکثر خلق چې پۀ کومو څيزونو کښې مبتلاء وي هغې ته دلائل لټوي اؤ دا خيال کوي چې مونږ ښۀ کار کوؤ ليکن الله تعالیٰ ته پته وي چې دا دَ شيطان چال دے اؤ پۀ هغې دې ځان خراب کړي۔ دا څومره جګړے چې مينځ کښې کيږي دا ټولې ددې پۀ وجه خو کيږي آخر دَ هابيل اؤ دَ قابيل پۀ مينځ کښې چې جګړه شوے وه دا ولې شوے وه؟ اؤ حضرت امام حسين رضي الله عنه چې دَ کربلا پۀ ميدان کښې شهيد شوې وۀ دا ولې شوې وۀ؟ دا پۀ دې وجه چې يزيد بادشاه کېدل غوښتل۔ دغه شان څومره ظلمونه چې پۀ افغانستان کښې کيږي، اؤ پۀ کشمير کښې کيږي،پۀ فلسطين کښې کيږي اؤ پۀ عراق کښې کيږي دا هم دغه خبره ده چې امريکه وائی چې زما نه اوچت بل څوک دے؟ اؤ ما ته مخې ته به بل څوک نۀ راځي۔مطلب دا دے چې دا يو ډيره خطرناکه خبره ده چې انسان وائی چې زۀ لوئے يم۔ صرف يو الله لوئے دے دَ الله پۀ مخکښې هيڅ څوک لوئے نشته مونږ ته پۀ مونځ کښې دَ يو رُکن نه بل رُکن ته منتقل کيدو سره دَ **اَللهُ**

اَکْبَرُ وئیلو کښې بیا بیا دا ټریننګ را کولې شي چې یو الله لوئے دے بل څوک لوئے نشته۔ دغه شان په رکوع کښې وایو سُبحان ربي العظیم، او په سجده کښې وایو سُبحان ربي الاعلیٰ نو دا دې دپاره دي چې زمونږ په ذهن کښې صرف یو دَ الله تعالیٰ لوئے والے وي او کله چې دَ الله تعالیٰ لوئے والے زمونږ په ذهن کښې وي نو مونږ به هیڅ کله هم دَ بل چا نه نه ویریږو او هر وخت به مونږ دَ الله تعالیٰ فرمانبرداري کوؤ او مونږ به دَ الله تعالیٰ په مخکښې دَ هغه رښتونې بندیان جوړ شو۔ هم دغه پیغمبر هم فرمائیلی دی او دغه دَ پیغمبرانو طریقه وه او هم دغه دَ صحابه کرامو طریقه وه او هم دغه دَ اولیاؤ کرامو طریقه ده۔ تاسو وګورئ چې زمونږ په کلمه اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدًا عبده و رسوله کښې عبده اول دے او رسوله وروستو دے۔ زه شهادت ورکوم چې حضور پاک صلي الله علیه وسلم دَ الله تعالیٰ بنده دے او دَ هغه رسول دے۔نو دا بندګي چې ده دا دومره اوچت صفت دے۔ خپل ځان ته اوچت نه دي وئیل پکار دا ډیره کمزورې خبره ده او ډیره خطرناکه خبره ده دا دَ شیطان په لار تلل دي۔ عاجزي ډیر اوچت صفت دے او په تصوف کښې په دې ډیر زیات زور وي چې په بنده کښې عاجزي وي، په بنده کښې اوچت والے رانه شي، په بنده کښې نیغیدل رانه شي، په بنده کښې تعلي رانه شي، بنده ځان څه ونه ګڼي۔ دا "زه" چې ورته وائی دا ډیره خطرناکه خبره ده۔ الله پاک دې مونږ دَدې نه وساتي۔ نو یو دَ دنیا څیز چې دے هغه دا دے چې ځان اوچت ګڼل

دویم دَ دنیا خرابي دا ده چې مونږ دَ لذت په مینه کښې مبتلاء شو۔ دَ لذت مینه څنګه ده؟ چې زه دې ښه خوراک وکړم، زه دې ښکلې جامې واغوندم، زه دې ښکلې موټر کښې روان شم،زه دې لوئے بلډنګ جوړ کړم او هغه دې ماته ښه لګي او زما په غوږو کښې دې داسې آوازونه راځي چې هغه زما په غوږو ښه لګي او زه دې داسې څیزونو ته وګورم چې زما سترګې دَ هغې نه لذت اخلي، هغه

اګرچې دَ الله تعالیٰ دَ حکم خلاف ورزي وي۔اؤ دغه شان داسې سوچونه دَ کومو نه چې زما زړهٔ لذت اخلي۔ دې ته وائی حُب باه۔دا هم ډېر خطرناک څیز دے اؤ دَدې پهٔ وجه خلق پهٔ ډېرو غټو ګناهونو کښې مبتلا شي۔دا نظر چې دے دا دَدې قاصد دے کله چې انسان بد نظري وکړي اؤ نظر غلط استعمال کړي نو دا پهٔ زړهٔ کښې تبدیلي راولي پهٔ زړهٔ کښې ګندګي راشي اؤ بیا وروړو دَدهٔ ارادې خطرناکې جوړېږي اؤ بیا وروستو دَدې نه ډېرې خطرناکې نتیجې راوځي۔ نو مشران دا وائی چې تاسو اول دَ نظر حفاظت کولؤ باندې قابو بیاموئ نو ان شاء الله باقي څیزونه به بیا الله پاک پوره کړي۔ځکه کهٔ چا دَ نظر حفاظت ونهٔ کړو نو بیا وروستو دَ هغهٔ ارادې ډېرې خطرناکې وي۔ الله پاک دې ددې نه زمونږ حفاظت وکړي۔ بهرحال حُب باه هم دَ دنیا یو ډېر لوئے نقصان دے

دریم نقصان دَ دنیا حُب مال دے دَ مال مینه۔ بعضې وخت مال سره دومره مینه پیدا شي چې هغه مال پهٔ خپل ځان هم نهٔ شي لګولي۔دا کس بخیل شي اؤ دې زکات نهٔ شي ورکولي،دا کس خیرات نهٔ شي کولي،دا کس د خویندو حصه پهٔ میراث کښې نهٔ شي ورکولي دا کس پهٔ خپلو ما تحت خلقو باندې ظلم کوي دا کس رشوت هم اخلي، دا کس سود هم خوري، دا کس دَ مال دپاره هر یو غلط کار کوي۔ نو مال دَ انسان دَ خرابولو دپاره شیطان سره ډېره لویه ذریعه ده

لهٰذا ددې درے واړو مینو نه توبه ویستل ، دَ دنیا مینه دَ زړهٔ نه لرے کول اؤ پهٔ زړهٔ کښې دَ الله تعالیٰ مینه راوستل دا اصل څیز دے اؤ دا شعبه دَ صوفیاء کرامو ده۔ صوفیاء کرام صرف دا کار کوي۔ اکثر خلق چې دَ صوفیاء کرامو خبرې کوي نو پهٔ هغې کښې کشفونه اؤ کرامتونه بیانوي۔ کشفونه اؤ کرامتونه ثانوي څیزونه دي دا اصلي څیزونه نهٔ دي۔ دَ مثال پهٔ طور زهٔ روان یم اؤ لاهور ته ځم نو لاهور زما منزل دے، هغه زما مقصد دے۔ پهٔ لا ر

کښې به زۀ پنډئ هم وو‌ینم، پۀ لار کښې به زۀ جهلم هم وو‌ینم، پۀ لار کښې به زۀ منډي بهاؤالدین هم وو‌ینم قسما قسم منظرونه به زۀ پۀ لار کښې وو‌ینم لیکن آیا دا منظرونه زما مقصد دے؟دا زما منزل دے؟ دا منظرونه زما مقصد نۀ دے ځکه چې کۀ پۀ دې منظرونو کښې زۀ مشغول شوم اؤ دَ ګاډي نه راکوز شوم اؤ ګاډے رانه لاړو نو زۀ لاهور ته ونۀ رسیدم ما خپله ګټه پۀ تاوان کښې بدله کړه۔ دغه شان څوک چې پۀ کشفونو اؤ کرامتونو کښې ونښلي نو هغوي د خپل مقصد نه پاتې شو ځکه چې اصل مقصد دَ رسول کریم صلي الله علیه وسلم دَ سُنتو پیروي کؤل دي۔(جاری دے)

دین کا ظاہر اور باطن

نوٹ: یہ بیان حضرت پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب مسجد میں ہوا تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت پیر باباؒ کے خلیفہ مجاز حضرت اخوند در ویزہ باباؒ تھے اور یہاں جو علمی الحاد شروع ہوا تھا اس کو اللہ پاک نے حضرت اخوند درویزہ بابا رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے ختم فرمایا۔ ہر دور میں دین میں فساد ڈالنے کے لئے شیطان نے اپنے کارندے تیار کیے ہوتے ہیں اور وہ شیطانی کارندے مختلف طریقوں سے استعمال ہوتے ہیں۔ یہ لوگ قران اور حدیث کے غلط مطالب بیان کر کے اس کے ذریعے سے دین میں بگاڑ پیدا کرنا چاہتے ہیں مگر اللہ پاک کے جو نیک بندے ہوتے ہیں جیسے پیر باباؒ اور باقی صوفیائے کرام اور علمائے کرام تو اللہ پاک ان کے ذریعے سے ان تمام فتنوں کو ختم کرتے ہیں اور اس بگاڑ کو نہ صرف درست فرماتے ہیں بلکہ دین کو از سر نو اپنی بنیادی اصولوں پر دوبارہ اجاگر کر دیتے ہیں اور یہ جو میں نے قران پاک کی آیات تلاوت کی

ہیں آپ حضرات کے سامنے تو اس سے صاف پتا چلتا ہے کہ انسان اس دین میں بگاڑ کیوں پیدا کرتا ہے؟ اس کی وجہ وہی ہے جو رسول ﷺ نے ایک حدیث مبارکہ میں بیان فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ " حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ كُلِّ خَطِیْئَةٍ "دنیا کی محبت تمام روحانی بیماریوں کی جڑ ہے۔

دنیا کس کو کہتے ہیں؟ موت سے پہلے کی زندگی کو دنیا کہتے ہیں اور بعد از موت کی زندگی آخرت کہلاتی ہے۔ اگر ہم اس دنیا میں دین کی محنت کریں گے تو اس کا اجر آخرت میں ملے گا جیسا کہ فرمایا کہ "الدُّنْیَا مَزْرَعَةُ الْآخِرَةِ" دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور اگر ہم اس دنیا میں دنیا کی محنت کریں گے تو اس سے دنیا کی محبت ہماری قلوب میں آئے گی جو روحانی بیماریوں کی جڑ ہے۔

دنیا کی محبت تین قسم کی ہے ایک بڑا بننے کی محبت کہ میں بڑا آدمی بن جاؤں، لوگ مجھے بڑا آدمی کہیں ، وزیر اعظم کہیں، چوہدری کہیں، خان کہیں۔ مجلس میں میری عزت ہو، لوگ میرے لیے راستوں میں کھڑے رہیں۔ یہ بڑا بننے کی محبت ہے اور یہ بہت خطرناک محبت ہے۔ یہ محبت لوگوں کے نماز،زکواۃ ،حج اور تمام عبادات کو تباہ کر دیتا ہے اور یہی چیز انسان کو شیطان بنا دیتی ہے۔ اسی چیز نے شیطان کو اس راہ پر لگادیا کہ میں نے بہت عبادات کی ہیں اور بہت کچھ کیا ہوا ہے۔ چاہیئے کہ اس دنیا کا خلیفہ میں بن جاؤں۔ شیطان کو جب حکم ہوا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو اس کے پیٹ میں درد ہوا کہ میں کیوں سجدہ کروں؟ اُس نے اللہ کے حکم کی نافرمانی کی اور کہا اے اللہ میں آگ سے پیدا کیا گیا ہوں اور آدم علیہ السلام مٹی سے۔ آگ مٹی سے بہتر اور برتر ہے میں اس کو سجدہ نہیں کروں گا۔ جب اللہ پاک نے اس کو اپنے دربار سے مردود ٹھہرایا تو اس مردود نے اس وقت اللہ پاک سے مہلت مانگی کہ مجھے مہلت دی جائے۔ اللہ پاک نے اس کو مہلت عطا کی ، تو اس مردود نے اللہ کی عزت کی قسم کھا کر کہا کہ اے اللہ آپ کی عزت کی قسم میں ان پر حملہ کروں گا ان کے راستہ میں بیٹھوں گا۔ دائیں ، بائیں ،آگے،

پیچھے غرض ہر طرف سے ان پر آؤں گا اور تیرے بندوں میں بہت ہی کم تجھ تک پہنچ پائیں گے۔ لیکن آپ کے منتخب بندوں پر میرا بس نہیں چلے گا۔ تو اللہ نے فرمایا کہ بس ٹھیک ہے میں بھی ان تمام بندوں سے جو تیرے راستہ پر چلنے والے ہوں گے ان سے جہنم کو بھر دوں گا۔

اس بات کے بعد بار بار اللہ پاک نے قران مجید میں ہمیں یاددہانی کرواتے ہوئے فرمایا کہ" اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ"اور فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا " کہ یہ تمہارا کھلا دشمن ہے، اس کو دشمنی پر پکڑو۔ لیکن جب یہ ہمارے اعمال ہمارے سامنے مزین کر کے دکھاتا ہے تو ہمیں پتہ نہیں چلتا کہ یہ شیطان کی چال ہے یا اس میں ہمارا اپنا کوئی فائدہ ہے۔ اکثر لوگ جن امراض میں مبتلا ہیں تو وہ دلائل بھی پیش کرتے ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں لیکن اللہ کو پتہ ہے کہ یہ سب شیطان کی چال ہے۔ یہ جو لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں سب شیطان کے پیدا کر دہ ہیں۔ہابیل اور قابیل کے درمیان جنگ کس نے کرائی؟ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے خود جنگ تھوڑی کی؟ بلکہ یزید نے بادشاہی چاہی تھی۔ آج کل یہ جتنے مظالم افغانستان، فلسطین، عراق، کشمیر اور دوسرے اسلامی ممالک میں ہو رہے ہیں یہ سب امریکہ کی وجہ سے ہیں کہ وہ اس بات پر گھمنڈ کرتا ہے کہ مجھ سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے؟ میرے مقابلے کا کوئی ہے؟ مطلب یہ ہے کہ یہ ایک بہت بڑی تباہی ہے کہ انسان کے دل میں یہ آئے کہ میں بہت بڑا ہوں۔ صرف اللہ بڑا ہے ، عظیم ہے،اس کے سامنے سب ہیچ ہیں۔ ہمیں نماز میں ہر وقت یہی Training ملتی ہے۔ ایک رُکن سے دوسرے رُکن میں جاتے ہوئے ہم کیا پڑھتے ہیں ؟ اللہ اکبر۔ اور رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلی۔ تو نماز میں ہمیں بار بار جو یہ کرایا جاتا ہے تو اس کا مقصد یہی ہے کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کو بڑا مانیں ، اُسی سے ڈریں ،اسی کا حکم مانیں اور یہی اصل کامیابی ہے۔یہی راستہ انبیاء کرام، صحابہ کرامؓ اور اولیاء کرامؒ کا تھا۔ ہمارے کلمہ شہادت میں

"اشهد اللہ الہ الااللہ واشھد ان محمدًا عبدہ ورسولہ"تو اس میں عبدہ پہلے ہے اور رسولہ بعد میں ہے کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ تو اپنے آپ کو بڑا اور اونچا سمجھنا بہت خطرناک ہے۔ بس عاجزی ہو اور اپنے آپ کواللہ کا بندہ سمجھیں، کہ میں کچھ نہیں ہوں تاکہ اکڑ نہ آئے۔ تصوف میں بھی اسی پر بہت زور دیا جاتا ہے کہ انسان عاجزی اختیار کرے اور اپنے آپ کو چھوٹا سمجھے۔ یہ جولفظ ہے "میں" یہ بہت خطرناک ہے۔ اللہ پاک ہم سب کو اس سے بچائے۔

دوسری قسم دنیا کی محبت جو ہے وہ "حُب باہ " ہے۔ یہ کیا چیز ہے؟ حُب باہ یہ ہے کہ میری اچھی خوراک ہو، اچھا کپڑا ہو ، اچھی گاڑی ہو ، میں اونچے اونچے عمارتیں بناؤں ، میرے کان ایسی آواز سنیں جس سے اس کو لذت ملے ، میری آنکھیں ایسی چیزدوں کو دیکھے جس سے آنکھوں کو لذت ملے اس کو کہتے ہیں حُب باہ۔

نظر اس کی قاصد ہے جب بھی انسان بد نظری کرتا ہے تو یہ غلاظت کی شکل میں اس کے قلب میں سرایت کرتی ہے اور انسان آہستہ آہستہ بہت بڑی بیماری میں مبتلا ہو جا تا ہے۔ جس سے بہت نقصان ہوتا ہے۔ بزرگ فرماتے ہیں کہ تم سب سے پہلے اس نظر کی حفاظت کرو تو اللہ پاک باقی سارے معاملات میں آسانی فرما دیں گے۔ جس نے نظر کی حفاظت نہ کی تو اس کے باقی ارادے خطرناک ہوں گے۔ اللہ پاک ہمیں نظر کی حفاظت عطاء فرمائے۔

تیسری دنیا کی محبت حُب مال ہے یعنی مال کی محبت۔ بعض اوقات انسان میں مال کی محبت اتنی زیادہ پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اس مال کو اپنے اوپر بھی نہیں خرچ کر سکتا اور بخیل بن جاتا ہے۔ نہ میراث میں بہنوں کو حصہ دیتا ہے، نہ زکوٰۃ ، نہ خیرات وصدقات۔ ایسا شخص پڑوسیوں کو اذیت دیتا ہے ، یہ سود کھاتا ہے، یہ رشوت لیتا ہے۔ یہ مال کیلئے ہر غلط کام کرتا ہے۔

تو دل سے دنیا کی ہر قسم کی محبت کو نکالنا ہے اور اس میں صرف اللہ کی محبت کو پیدا کرنا ہے یہی اصل مقصد اور کام ہے۔ صوفیائے کرام نے صرف یہی کام کیا ہے۔ اکثر لوگ جب صوفیائے کرام کا ذکر کرتے ہیں تو ان کی کشف و کرامات کا تذکرہ کرتے ہیں۔ کشف وکرامت تو مقصود ہی نہیں مقصود تو اللہ کی محبت کو پیدا کرنا ہے اور ان تمام اقسام کی محبت کو دل سے نکالنا یہی صوفیائے کرام کی محنت ہے۔ میں ایک مثال دیتا ہوں کہ اگر ہم نے لاہور جانا ہو اور لاہور ہماری منزل ہوتو اس کے راستہ میں پنڈی، جہلم ، گجرات بھی آتے ہیں تو اگر میں ان جگہوں کے لُطف میں گم ہو گیا جو کہ غیر مقصود ہیں تو میں اپنی منزل ، اپنے مقصد لاہور تک نہیں پہنچ پاؤں گا۔

اس طرح یہ کشف و کرامات بھی غیر مقصود ہیں۔ مقصود اللہ کی ذات ہے اور اس کی محبت ہے اور اتباع سنت ہے۔(جاری ہے)